سالانہ چندہ
پانچ روپے

ایڈیٹر
ابوالعطاء جالندھری

دو ضروری اعلان

(۱) الفرقان کا "جماعت اسلامی نمبر" آدھی قیمت پر!

الفرقان کا "جماعتِ اسلامی نمبر" ایک خاص نمبر ہے۔ اس جماعت اور اس کے امیر مولانا مودودی صاحب کے باب میں تاریخی اور مذہبی طور پر پوری معلومات کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے۔

اس نمبر میں یہ بھی دکھایا گیا ہے۔ کہ مودودی صاحب نے کس طرح سے احمدیہ تحریک کی بھونڈی اقتداء کی ہے اور غلط انداز میں اس کے مسلک کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔

یہ نمبر جماعتِ اسلامی کے افراد میں تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہے۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک ماہ کے لئے اس نمبر کی قیمت علاوہ محصولڈاک' ایک روپیہ کی بجائے صرف آٹھ آنہ کر دی گئی ہے۔ جو دوست تقسیم کے لئے دس یا اس سے زیادہ نسخے خریدیں گے انہیں خرچ ڈاک بھی ادا نہ کرنا پڑے گا۔

---

(۲) الفرقان کے تمام پرانے نمبروں میں رعایت

الفرقان کے گزشتہ سات سالہ پرچہ جات میں سے جو نمبر دفتر میں موجود ہیں ان سب کی قیمت ایکماہ کے لئے نصف کر دی گئی ہے۔

یاد رہے کہ یہ سارے نمبر نہایت قیمتی اور ٹھوس مضامین پر مشتمل ہیں۔ اگر آپ خود دفتر میں آکر نمبر انتخاب کرلیں تو آپ کو خرچ ڈاک ادا نہیں کرنا پڑے گا۔

ورنہ

ہر رسالہ پر ایک آنہ ڈاک خرچ بڑھ جائے گا۔!

اس طرح سے ایک سال کے پرانے رسالہ جات پانچ روپے کی بجائے

اڑھائی روپے میں مل سکیں گے!

رقم بہر حال پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ بذریعہ وی پی طلب فرمائیں۔

مینجر الفرقان۔ ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفرقان ربوہ۔ جولائی ۱۹۵۷ء

فہرست مضامین!

ایڈیٹر
ابوالعطاء جالندھری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نائب ایڈیٹرز:-
(۱) مسعود احمد دہلوی بی۔اے
(۲) خورشید احمد شاد مولوی فاضل

جلد ۷ | ذوالحجۃ سنہ ۱۳۵۷ھ | الفرقان | جولائی سنہ ۱۹۵۷ء | نمبر ۷

دُنیائے اسلام کا بے مثال رُوحانی اجتماع —— حج

اسلام دینِ فطرت ہے اس کی تعلیمات، اسکے احکام، اور اس کی مقرر کردہ عبادات انسانی رُوح کو جلا بخشتی ہیں، انسانی تعلقات کو استوار کرتی ہیں، اس کے اخلاق کو سنوارتی ہیں، عبادت کی غرض بجز اس کے کچھ نہیں کہ انسانی قلب گداز ہو کر شفاف آئینہ کی طرح محبوب آقا کے نقوش اپنے اندر پیدا کرے اور اس کے رنگ میں رنگین ہو جائے۔ قرآن مجید نے اسی غرض کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ۔ کہ الٰہی رنگ کو اختیار کرو۔ اس کے اخلاق کو اپناؤ۔ خدا سے رنگ میں کوئی بہتر نہیں۔ اسی صورت میں تم کہہ سکو گے کہ ہم سچ مچ خدا کی عبادت بجالانے والے ہیں۔

اسلامی عبادات میں حج کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے حج کرنے والے کی قربانی ایک جامع قربانی ہوتی ہے۔ وہ مال بھی خرچ کرتا ہے۔ عزیز و اقارب سے جُدائی بھی اختیار کرتا ہے۔ وقت بھی صرف کرتا ہے اور اپنے وطن عزیز سے بھی کچھ عرصہ کے لئے الگ ہو جاتا ہے سفر کی کوفت علاوہ بریں ہے۔

اسلام نے یہ شرط قرار دی ہے کہ حج اس شخص پر فرض ہے جسے راستہ کی استطاعت میسر ہو۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ اس استطاعت میں یہ بھی شامل ہے کہ اس شخص کی صحت سفر کے قابل ہو۔ یہ بھی شامل ہے کہ اسے راستہ کا امن حاصل ہو۔ یہ بھی شامل ہے کہ اس کے پاس اتنا سرمایہ ہو کہ بآسانی اخراجاتِ سفر کے علاوہ وہ اپنے اہل و عیال کو بھی اپنی واپسی تک خرچ دے سکے۔ جب یہ شرائط متحقق ہو جائیں تو حج فرض ہو جاتا ہے اور اس شخص کیلئے حج بیت اللہ ضروری قرار پاتا ہے۔

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے اور عملی اسلام کی چار دیواری میں سے چوتھی دیوار ہے۔ حج اپنے سارے شروط و قواعد کے باوجود ایک واضح عاشقانہ عبادت ہے۔ یہ سچ ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ خدائے واحد کی مخلوق ہے اور زمین کا چپّہ چپّہ اس کی ہستی پر گواہ۔ مگر یہ بھی درست ہے کہ بعض وجود اور بعض مکان اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی قدرتوں کا مظہر بننے کے باعث خاص طور پر متبرک ہوتے ہیں۔ ان سے تعلق اور اس مقام پر حضوری انسانی دل کی کیفیت میں وہ تبدیلی پیدا کرتی ہے جو اور جگہوں پر میسر نہیں ہو سکتی۔ بعض لمحات انسانی زندگی کی ڈگر کو بالکل بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ اور بعض مقام انسان کے لئے کایا پلٹ ثابت ہوتے ہیں۔ صرف شرط یہ ہوتی

ہے کہ انسان کا دل بیدار ہو اور اس کے احساسات کی نبض جاری ہو۔

حج کیا ہے؛ عشاقِ ربانی کا ایک عدیم النظیر اجتماع ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے دیوانوں کا پرکیف منظر ہے، مختلف ممالک کے لوگ، مختلف زبانیں بولنے والے لوگ، مختلف رنگتوں والے لوگ دنیا کے کونے کونے سے وادیٔ بطحا میں جمع ہو رہے ہیں۔ وہ سب کفن کی مانند دو چادروں میں ملبوس بیت اللہ الحرام کے گرد دیوانہ وار گھوم رہے ہیں۔ وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ رہے ہیں۔ وہ عرفات کے میدان میں کائنات کے مالک کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہیں۔ وہ منیٰ کے مقام پر بطور شعار جانوروں کی قربانی پیش کر رہے ہیں ان کی زبانوں پر اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ہے۔ انکے دل آستانۂ الوہیت پر پگھل رہے ہیں۔ ان کی جبینیں خاک پر جھکی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ رنجھگڑنا جانتے ہیں۔ نہ انہیں کسی قسم کے دنیوی دھندے سے سروکار ہے۔ یہ سب کچھ تیاگ کر اپنے محبوب کی ملاقات کے لئے سرگرداں پھر رہے ہیں۔ یہ حجاج ہیں۔ ان کی اس سرفروشانہ مدہوشی کا نام حج ہے یہ چند دن کی عبادت ہے مگر اسے ایک مرتبہ پورے صدقِ دل سے بجا لانیکے ساتھ انسان کا دل دہل جاتا ہے۔ اس کے سارے زنگ دُور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ سچ مچ ایک نئی زندگی لے کر آنے والا انسان ہوتا ہے۔ سچا حاجی بے شک اس رنگ و بُو کے جہان میں بستا ہے۔ مگر وہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہتا ہے کیونکہ اس نے وہ کچھ دیکھا ہے۔ جو اسکے اردگرد کے لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اس نے وہ کچھ پایا ہے۔ جس سے دوسرے ابھی آشنا نہیں۔ سچ مچ اس میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے یہی آثار و ثمرات ہوتے ہیں۔

بیت اللہ تو ابتدائے آفرینش سے قائم ہے اور لوگ اس کی زیارت کے لئے شروع سے آتے تھے مگر حوادثِ زمانہ سے ایسا انقلاب آیا کہ اس کے بعد ضرورت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توجہ دلائے کہ وہ پرانی بنیادوں پر اس گھر کو پھر استوار کریں۔ اور اس کی آبادی کے لئے اپنی بیوی اور اپنے اکلوتے کو اس بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ جائیں۔ حضرت خلیلؑ نے اشارۂ خداوندی کی تعمیل کی۔ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے لئے کتنی صبر آزما گھڑی تھی۔ کہ ننھا شیر خوار بچہ گود میں ہے اور خاوند تن تنہا چھوڑ کر سینکڑوں میل دُور فلسطین کا رُخ کر رہا ہے۔ مگر وہ کامل الایمان صدیقہ اپنی فراست سے سمجھ گئی۔ کہ وہ ابراہیمؑ جو حضرت لوطؑ کی بدعمل قوم کی بربادی کی خبر پر بے تاب ہو گیا تھا۔ آج بلا وجہ اپنی چہیتی بیوی اور دنیوی طور پر اپنی ساری امیدوں کے آماجگاہ لختِ جگر اسمٰعیلؑ کو اس لق و دق صحرا میں نہیں چھوڑ رہا۔ چھوڑ کر جانے والے خاوند اور چھوڑی جانے والی بیوی کے جذبات انتہائی حالت میں تھے۔ تاہم حضرت ہاجرہؓ نے پوچھ لیا کہ کیا آپ اتنا بڑا اقدام خدا تعالیٰ کے حکم سے کر رہے ہیں؟ خلیل اکبر علیہ السلام نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ تب حضرت ہاجرہؓ کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا۔ تب وہ خدا ہمیں کبھی ضائع نہ ہونے دے گا۔

پانی کا مشکیزہ ختم ہو گیا۔ ہاجرہؓ آخر عورت ذات تھیں، بڑے سے بڑا جری مرد بھی اس موقع پر ہاجرہؓ سے بڑھ کر جرأت نہ دکھا سکتا تھا۔ پانی کی تلاش میں کبھی صفا پر جاتی تھیں اور دُور سے آنے والے کسی قافلے کے دیکھنے کے لئے نظریں دوڑاتی تھیں۔ جب کوئی نظر نہ آتا تھا تو دوسری پہاڑی مروہ پر بھاگ کر جاتی تھیں اور درمیان

میں ننھے اسمٰعیلؑ کو پیار بھری نظروں سے دیکھ جاتی تھیں۔ صدیقہ ہاجرہؓ نے اسی طرح سات چکر کاٹے۔ آخر زمزم نمودار ہوا اور پانی کا مسئلہ حل ہو گیا۔

صفا و مروہ کے یہ سات چکر آج بھی ہر حاجی لگاتا ہے اور اس پرانی قربانی کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔

خدائی پیشگوئیوں کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کو بھی یقین تھا کہ خدا اسمٰعیلؑ کو ضائع نہیں کرے گا۔ بلکہ ایسے ایک ہونہار اور تناور درخت بنائے گا۔ جس سے قومیں برکت پائیں گی۔ وہ گاہے گاہے اپنے نونہال کو پروان پڑھتے دیکھنے کے لئے فلسطین سے وادیٔ بکہ میں آجاتے تھے۔

جب وہ بچہ سن شعور کو پہنچا اور کام کرنے کے قابل ہوا۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ۔ اور باپ اور بیٹے نے مل کر بیت اللہ کو پرانے آثار پر استوار کر دیا تو اشارہ خداوندی سے ایک اور امتحان درپیش آ گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ اپنے اکلوتے کو ذبح کر رہے ہیں۔ بیٹے سے پوچھا۔ سعادت مند بیٹا آگے بڑھ کر بولا۔ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔ آپ بے دریغ اس حکم کی تعمیل فرماویں جو آپ کو ملا ہے مجھے آپ خدا کے فضل سے صبر و استقلال کا پُتلا پائیں گے۔ کامل آمادگی کے اظہار پہ مشیت خداوندی نمودار ہوئی اور ابراہیمؑ کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا گیا۔ اور اسمٰعیلؑ کی بے مثال قربانی کی تقلید میں قربانیوں کا نہ ختم ہونے والا تسلسل جاری کر دیا گیا۔ جو آج چار ہزار برس بیت جانے کے باوجود بھی اسی آب و تاب سے پیش کی جا رہی ہیں۔ ہزاروں منیٰ میں اور بے شمار اسلامی دنیا کے کونے کونے میں۔

حج بیت اللہ اور منیٰ کی قربانیاں درحقیقت اسی قربانِ عظیم کی یادگار ہیں جو گھرانہ خلیلؑ نے پیش کی تھی۔ تینوں دل ذبح ہو گئے۔ باپ اور خاوند بھی امتحان میں پورا اُترا۔ ماں اور بیوی بھی امتحان میں پوری اُتری۔ بیٹا بھی امتحان میں پورا اُترا۔ ان کامل قربانیوں کی عملی یادگار حج کی صورت میں مقرر ہوئی۔ جو زمین و آسمان کے قیام تک جاری رہے گی۔ حکومتیں بدلتی رہیں۔ دارالسلطنت تبدیل ہوتے رہے۔ بادشاہتیں مٹتی رہیں۔ مگر یہ آسمانی سلطنت قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ ع

سلطنت تیری ہے جو رہتی ہے دائم برقرار

جن خوش بخت لوگوں کو حج کی توفیق ملی ہے اور وہ اِن دنوں اُس سرزمین پر گھوم رہے ہیں جو نبیوں کی سرزمین ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی سرزمین ہے۔ جہاں پر خدا کے سب سے بڑے نبی حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے سالہا سال ناصیہ فرسائی کی۔ ہاں جو اِن دنوں اس مقدس سرزمین پر عبادتِ حج بجا لا رہے ہیں اور پورے صدق و خلوص سے ابراہیمی اُسوہ کی پیروی کر رہے ہیں وہ صد مبارک کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہر سچے مومن کو توفیقِ حج عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین ٭

دیارِ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

یحب جنانی کل ارض وطئتها
فیا لیت لی کانت بلادک مولدا

ترجمہ۔ میرا دل زمین کے ہر اس حصے سے محبت کرتا ہے جس پر اے نبی اکرم! تیرے مبارک قدم پڑے ہیں۔ اے کاش میری پیدائش بھی اسی علاقہ میں ہوتی۔ (حضرت مسیح موعود)

ایک مخلصانہ تبصرہ

ان کے عقائد ـــــ اور ـــــ ہمارے اعمال

جماعت احمدیہ اور اشاعت اسلام کی سرگرمی

"کاش ان لوگوں کے عقائد ہمارے جیسے ہوتے ؟" ـــــ (مولانا عبدالماجد دریا بادی)

مولانا عبدالماجد صاحب مدیر صدق جدید لکھنؤ نے مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے کی کتاب "تبلیغ اسلام دنیا کے کناروں تک" پر ان الفاظ میں ریویو فرمایا ہے:-

"احمدیہ جماعت قادیان اپنے رنگ میں جو خدمت تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کر رہی ہے یہ رسالہ اس کا پورا مرقع ہے۔ جماعت کے مشن یورپ، امریکہ، مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، ماریشس، انڈونیشیا، نائیجیریا اور ہندوستان و پاکستان کے خدا معلوم کتنے مختلف مقامات میں قائم ہیں۔ ان سب کی فہرست اور ان کی کارگزاریاں ان سے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت انگریزی۔ فرینچ۔ جرمن۔ ڈچ۔ اسپینی۔ فارسی۔ برمی۔ ملایا۔ تامل۔ ملیالم۔ مراٹھی۔ گجراتی۔ ہندی اور اُردو زبان میں۔ ان کی مسجدوں اور ان کے اخبارات و رسائل کی فہرست اور اسی قسم کی دوسری سرگرمیوں کا ذکر ان صفحات میں نظر آجائے گا۔ اور ہم لوگوں کے لئے جو اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں ہیں ایک تازیانۂ غیرت کا کام دیگا ـــــ کاش ان لوگوں کے عقائد ہمارے جیسے ہوتے اور ہم لوگوں کی سرگرمی عمل ان کی جیسی!"

(۷ر جون ۱۹۶۸ء)

ہم نہیں کہہ سکتے کہ جماعت احمدیہ کی تبلیغی سرگرمیاں ہمارے دوسرے بھائیوں کے لئے جو تعداد، سرمایہ اور علماء کے لحاظ سے ہم سے ہزار دں گنا زیادہ ہیں "تازیانۂ غیرت کا کام" دینگی یا نہیں لیکن یہ ضرور سچ ہے کہ مولانا عبدالماجد ایسے منصف مزاج اہلِ قلم کا فقرہ:-

"کاش ان لوگوں کے عقائد ہمارے جیسے ہوتے"

ہمارے لئے "تازیانۂ غور و فکر" کا کام دے گیا ہے۔

ہم نے جس وقت سے مولانا کا دل سے نکلا ہوا یہ فقرہ پڑھا ہے ہم غور و فکر کر رہے ہیں کہ جناب مولانا کا اشارہ کن عقائد کی طرف ہے؟ عقیدہ دل کی گہرائیوں میں پختہ خیال کا نام ہے۔ عقیدہ ایک مخفی درخت ہے جس کا پھل وہ اعمال ہوتے ہیں جو اس صاحبِ عقیدہ سے صادر ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا تبصرہ میں جماعت احمدیہ کے عقائد کے پھل اور ہمارے دوسرے مسلمان بھائیوں کے عقائد کے پھل ذکر کرنے کے بعد مولانا دریا بادی نے بڑی حسرت اور ہمدردی سے فرمایا ہے "کاش ان لوگوں کے عقائد ہمارے جیسے ہوتے"۔

میں گہرے سوچ میں ہوں کہ مولانا جیسا سنجیدہ صاحبِ قلم ہم سے کن عقائد میں تبدیلی یا ترمیم کا خواہاں ہے؟ ہمارے عقائد جن میں ہم عام مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں چار ہیں

(اوّل) ہم اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کو جاری مانتے ہیں۔ اسکی طرف سے سلسلۂ الہام کو جاری یقین کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک آج بھی متبعین قرآن مجید کیلئے بارگاہِ ربّ العزت سے شرفِ مکالمہ و مخاطبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ امورِ غیبیہ پر اطلاع مل سکتی ہے۔ گویا ہم زندہ خدا کے محبت بھرے کلام کو ہستی باری تعالیٰ، قرآن مجید، اسلام اور حضرت نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت یقین کرتے ہیں۔ آج بھی اسے جاری یقین کرتے ہیں اور رہتی دنیا تک اسے جاری مانتے ہیں۔

(دوم) دوسرا اختلاف ہمارا عام مسلمانوں سے قرآن مجید میں منسوخ آیات کے بارے میں ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید دائمی اور عالمگیر شریعت کاملہ ہے۔ ہمارے اِس اعتقاد کے مقابل پر عام علماء بیسیوں یا سینکڑوں آیات کو منسوخ ٹھہراتے ہیں جس سے بابیوں اور بہائیوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اب سارا قرآن مجید ہی منسوخ ہے۔ مگر ہم قرآن پاک کے ایک شوشہ کو منسوخ نہیں مانتے۔

(سوم) ہمارے عقیدہ کے رُو سے جسمانی وجود کے لحاظ سے جملہ انبیاء وفات پا چکے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی فوت ہو چکے ہیں۔ فوت شدہ انبیاء میں سے جسمانی طور پر کوئی نبی دوبارہ نہیں آ سکتا۔ البتہ ان کے نام پر اور انکی خُو بُو پر انسان آ سکتے ہیں۔ مگر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ منقبت بھی صرف اُمت محمدیہ سے مخصوص ہو گئی۔ اب باقی نبیوں کے ذریعہ اور ان کی پیروی کے نتیجہ میں روحانی نعمتوں کے پانے کے دروازے بند ہو چکے ہیں اب تمام انعامات الٰہیہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مل سکتے ہیں اور سب نعمتیں آپؐ کی پیروی کی شرط سے وابستہ ہیں۔ اسلئے ہمارا عقیدہ ہے کہ اُمت محمدیہ کو قرآنی اشارات اور حدیثی تصریحات میں جس مسیح موعود کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے وہ خود عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ اسی اُمتِ مرحومہ کا کوئی فرد ہے جو باتباع حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مسیحیت کے مقام کو پانے والا ہے۔ عام مسلمان آنے والے مسیح کو نبی اللہ مانتے ہیں۔ ہم ان سے اِس حد تک متفق ہیں کہ آنیوالے مسیح موعود کی نبوت غیر تشریعی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نتیجے میں حاصل ہونیوالی ہے مستقل، تشریعی اور براہِ راست نبوت نہیں ہے۔ کیونکہ خاتمیتِ محمدیہ کے ذریعہ سے بجز ظلّی اور اُمتی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔

(چہارم) عام مسلمانوں سے ہمارا چوتھا اختلافی عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک چودھویں صدی کے مجدد، اُمت کے مہدی و مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر مبعوث ہو چکے ہیں اور وہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام ہیں۔ دوسرے لوگ ہنوز مسیح موعود کی انتظار میں ہیں اور نہ معلوم کب تک انتظار کرتے چلے جائیں گے۔ چونکہ مسیح موعود کی بعثت اشاعتِ اسلام کے لئے ہے، قرآنی غلبہ کے اظہار کے لئے ہے، حضرت سیدالمرسلین کی فضیلت کے نمایاں کرنے کے لئے ہے تاکہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو جائے۔ اسلئے حضرت مسیح موعودؑ کے ماننے والی جماعت یعنی جماعت احمدیہ اشاعتِ اسلام کو اپنا نصب العین سمجھتی ہے اور ہر طرح سے اس کے لئے کوشاں رہتی ہے جس کا ایک نمونہ اس رسالہ میں پیش کیا گیا ہے جس پر سطور بالا میں مولانا عبدالماجد صاحب نے تبصرہ فرمایا ہے۔

بھائیو! ہمارے یہ عقائد ہیں جن میں ہم موجودہ
عامۃ المسلمین سے اختلاف کرتے ہیں۔ اِس اختلاف کیلئے
ہمارے پاس قرآن مجید کی نصوصِ صریحہ موجود ہیں،
احادیثِ نبویہ کی تائید ہمیں حاصل ہے، عقلِ انسانی
ہمارے حق میں ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی عقائد
ہیں جنہوں نے اِس زمانہ میں احمدی جماعت کے اندر اقامتِ
دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے غیر معمولی عزم
پیدا کر دیا ہے اور انہیں ہر قربانی پر آمادہ کر رکھا ہے
ان کے غریب پیٹ کاٹ کر چندہ دیتے ہیں، ان کے
نوجوان دنیوی امنگوں پر لات مار کر دُور دراز علاقوں
میں تنِ تنہا دین کی تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔
پھر ان عقائد ہی کی برکت ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے
مقابلہ میں غالب آتے ہیں۔ ورنہ آپ خود ہی سوچ لیں
کہ اِس وقت کی الحاد اور دہریت کی دُنیا کے سامنے
غیر متکلم خدا کو پیش کرنے سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔
آئین کے متوالوں اور دلائل کی کھال اُتارنے والے
قانون دانوں کے سامنے قرآن مجید کی منسوخ آیات
کے عقیدہ سے کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیحؑ
کو ابن اللہ اور آسمانوں پر زندہ ماننے والے پادریوں
کے سامنے حیاتِ مسیح ناصری کا عقیدہ پیش کرنے سے
کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ مسیح کی آمدِ ثانی اور مسلمانوں
کے لئے نجات دہندہ ہونے کے عقیدہ کی صورت میں
دُنیا کو کس طرح یقین دلایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل نبی ہیں۔ آپ کے فیوض
و برکات آج بھی جاری ہیں اور در حقیقت آپ ہی کامل
روحانی زندہ نبی ہیں۔

میں کوئی مجادلہ یا مباحثہ نہیں کر رہا بلکہ اُس
درد بھری پکار "کاش ان لوگوں کے عقائد ہمارے
جیسے ہوتے" کا مخلصانہ اور درد بھرا جواب پیش،
کر رہا ہوں۔ آپ کو واقعی افسوس ہے اور ہم اِس
افسوس میں آپ کے شریک ہیں کہ کروڑوں مسلمان،
مالدار مسلمان، اہلِ علم مسلمان جذبۂ اشاعتِ اسلام
سے یکسر محروم ہیں اور بے حس و حرکت پڑے ہیں۔
مگر آپ غور نہیں فرماتے کہ وہ کیا تبلیغ کریں۔
کن عقائد کو اور کیونکر پیش کریں۔

آج دُنیا **دلیل و بُرہان کی دُنیا** ہے۔ آج
ہر دعویٰ پر ثبوت کا مطالبہ ہوتا ہے اور ہر عقیدہ
کو عقل کے ترازو سے تولا جاتا ہے۔ مگر آپ ہی
خدا لگتی کہیں کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کو بشر ماننے کے ساتھ
ساتھ انہیں دو ہزار سال سے آسمانوں پر خاکی جسم
کے ساتھ بغیر کھانے پینے کے جوان کا جوان زندہ ماننا
اپنے اندر کچھ بھی معقولیت رکھتا ہے؟ کیا معقولیت پسند
دُنیا اسے قبول کر سکتی ہے؟

پھر میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن مجید کو سب
الہامی کتابوں سے افضل قرار دیتے ہوئے اس میں
بیسیوں منسوخ آیات ماننا دلیل و بُرہان کے کس ترازو
میں ٹھیک بیٹھ سکتا ہے۔ کیا ایسی "مشتبہ کتاب"
کو دَورِ حاضر کی دُنیا میں سب سے برتر صحیفہ اور
دائمی شریعت کے طور پر منوایا جا سکتا ہے؟ مجھے
عرض کرنے دیجئے کہ الہام و وحی کے دروازہ کو کلیۃً
بند قرار دے کر عام مسلمان روحانیت کے لئے
پیاسی دُنیا کے لئے کونسا پُر امید پیغام لے کر جائیں گے
اور اسے کس طرح یقین دلائیں گے کہ اسلام کا زندہ
خدا آج بھی اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور ان سے
پیار و محبت کا کلام کرتا ہے۔

میں مجروح دل سے التماس کرتا ہوں کہ آپ
خود سوچیں کہ جب مسلمان خود اُمت کے لئے نعمائے
الٰہیہ کے دروازے بند کر رہے ہیں۔ اور آئندہ ہر

خیر و برکت کو مسیح ناصری علیہ السلام کی آمد سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ تو اس میں سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی ہونے اور سب نبیوں سے افضل و برتر ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوگا۔ اور دُنیا کے عقلمند کیونکر ان عقائد کے ساتھ ہمارے آقا حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت و برتری کو قبول کر کے ان کی اطاعت کا جُوا بصد شوق برداشت کریں گے۔

یہ باتیں کسی کی دلشکنی یا کسی کے عقائد پر طنز کے لئے نہیں لکھی گئیں۔ بلکہ یہ دردمند دل کی پکار ہے۔ تاکہ ہمارے خیرخواہ اور اسلام کے دردمند مسلمان علیحدگی میں غور فرمائیں اور ہمارے عقائد اور اپنے عمومی خیالات کا موازنہ کریں۔ یقین ہے کہ اگر یہ ہمدرد احباب مخلصانہ غور و فکر سے کام لیں گے اور اس بات کو مدِنظر رکھیں گے کہ اعمال عقائد کا ہی ثمرہ ہوتے ہیں۔ تو انہیں اپنے سابقہ فقرہ "کاش ان لوگوں کے عقائد ہمارے جیسے ہوتے اور ہم لوگوں کی سرگرمی عمل ان کی جیسی" کی بجائے یہ کہنا پڑے گا کہ:-

"کاش ان لوگوں جیسے عقائد ہمارے
عقائد ہوتے۔ نیز ان لوگوں جیسی سرگرمی
عمل ہماری ہوتی۔"

میں کہتا ہوں کہ اس وقت کہنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی بلکہ آپ اور ہم دوش بدوش اشاعتِ اسلام کے کام میں دُنیا بھر میں گھومتے نظر آتے۔ اے کاش وہ دن جلد آجائے۔ آمین۔

سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کے
دس شرائط بیعت

اوّل۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرلیوے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق اور فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم۔ یہ کہ بلاناغہ پنجوقت نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روزہ اپنا ورد بنائے گا۔

چہارم۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم۔ یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت و بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہرحالت راضی بقضا ہوگا اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کیلئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ و قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

(اشتہار تکمیل تبلیغ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء)

اطالوی مستشرقہ کی اسلام کے متعلق شاندار کتاب

کتاب کے متعلق جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جج عالمی عدالت کا دیباچہ

(ترجمہ اُردو از جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ - لائل پور)

[اطالوی زبان میں مشہور مستشرقہ Dr. Laura Veccia Vaglieri نے ایک نہایت قیمتی مقالہ "An Interpretation of Islam" رقم فرمایا ہے۔ جس کو ہاورفورڈ کالج پنسلوینیا نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اور اب اسے احمدیہ امریکن مشن واشنگٹن نے شائع کیا۔ اس کتاب کا دیباچہ محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے لکھا ہے۔ ذیل میں اس دیباچہ کا اُردو ترجمہ جسے محترم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائل پور نے کیا ہے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔

یہ کتاب ایک عیسائی عورت کی لکھی ہوئی ہے اسلئے اس میں بعض خامیوں کا ہونا تعجب انگیز نہیں۔ تاہم یہ کتاب نہایت ہی عمدہ معلومات پر مشتمل ہے اور اس دیباچہ سے اس کتاب کی خوبیوں کی ایک جھلک نمایاں ہوتی ہے ـــــــ (ایڈیٹر)]

چھٹی صدی عیسوی کا آخر اور ساتویں صدی کا شروع شاید ظلمت کا تاریک ترین دور تھا۔ جس میں مذہب، اخلاق، ثقافت، فلسفہ اور علوم سب کے سب زوال پذیر تھے۔ کہیں کہیں کوئی شمع ٹمٹماتی تھی تو اندھیرے کو اور بھی نمایاں کرتی تھی۔

جزیرہ نمائے عرب پر انتہائی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہاں کوئی منظم حکومت نہ تھی اور جان و مال معرضِ خطر میں رہتے تھے۔ ہاں عائلی اور قبائلی معاہدات اور باہمی رقابتوں کے نتیجے میں عارضی سکون یا برائے نام توازن میسر ہو جاتا تھا۔ مزید برآں عرب لوگ آداب امن اور قواعد جنگ سے بالکل نا آشنا تھے غارتگری اور بہیمیت کا راج تھا۔ بدوی شجاعت، جہاں نوازی اور بقائے نفس کا تقاضا، بس یہی وہ اسباب تھے جو اپنے سے زیادہ طاقتور دشمن کی انتقامی کارروائیوں کی روک تھام کرتے تھے۔

کسی حکیم یا فلسفی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ شفا اور نجات کا چشمہ ملک عرب سے پھوٹیگا۔

لیکن یہی ہوا۔ الٰہی منشا کے ماتحت مکہ سے ایک آواز بلند ہوئی۔ جس نے لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلایا اور اعلان کیا۔ کہ انسان کی دنیوی و اُخروی فلاح و بہبود اور عزت و عظمت اسی آواز پر لبیک کہنے میں مضمر ہے۔ یہ آواز حضرت محمدؐ کی تھی،

صلی اللہ علیہ وسلم۔

سچ تو یہ ہے۔ کہ یہ آواز صدا بہ صحرا تھی۔ جس کو سُن کر لوگوں نے ہنسی ٹھٹھے اور تحقیر سے کام لیا۔ بعض مسکین اور غریب دل اشخاص نے دلیری سے اِس آواز کو قبول کیا۔ لیکن جب رفتہ رفتہ اِس آواز کے ماننے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تو ہنسی ٹھٹھا کرنے والے وحشیانہ مظالم اور پیہم درپے ایذا دہی پر اُتر آئے۔ اِن لمبے اور وحشیانہ مظالم کا سبب صرف ایک تھا۔ یعنی یہ کہ مسلمان کیوں خدائے واحد کا معتقد اور پرستار ہے۔

اِن حالات میں ایمان باللہ کی حفاظت و اشاعت کے لئے یہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ مکّہ کو خیرباد کہا جائے۔ بعض لوگ مکّہ سے نکل گئے لیکن اُن کا پیچھا کیا گیا اور جس بادشاہ نے کچھ دُور سمندر پار اپنے علاقے میں انہیں پناہ دی تھی اُس سے اُن بے وطنوں کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔ فریقین کی گفتگو سُن کر بادشاہ نے اِس مطالبے کو رد کر دیا۔

بعثت سے تیرھویں سال خود محمد صلعم کو خدا تعالےٰ نے حکم دیا کہ مکّہ کو چھوڑ دیں۔ رات کے وقت جب دشمن آپؐ کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے تھے اور دشمنوں کا ایک گروہ آپؐ کے مکان کے گرد گھیرا ڈال چکا تھا۔ آپؐ صرف ایک وفادار ساتھی ابوبکرؓ کی معیت میں دشمنوں سے بچ کر نکل گئے۔ جب کفار کو آپؐ کے چلے جانے کا علم ہوا تو انہوں نے آپؐ کے تعاقب کی تدبیر کی۔ لیکن جس جگہ آپؐ اور آپؐ کا رفیق جا چھپے تھے وہ جگہ انہیں معلوم نہ ہو سکی۔ تب قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلعم کو زندہ یا مُردہ پکڑ لائے اُسے ایک سَو اونٹ انعام دیا جائے گا۔

بالآخر نبی کریمؐ نے مدینہ کی راہ لی۔ مدینہ میں مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت تھی جس نے خوشی سے آپؐ کا خیر مقدم کیا۔ بلکہ مدینے کے مختلف گروہوں نے آپؐ سے متفقہ درخواست کی کہ علاوہ فرائضِ رسالت کے آپ اہلِ مدینہ کے سیاسی اور انتظامی امور کی سربراہی بھی قبول فرمائیں۔ قریش تو پہلے ہی آپؐ کے قتل پر انعام مقرر کر چکے تھے اسلئے جب انہیں آپؐ کی اِس کامیابی کا علم ہوا تو انہوں نے قبائل کو چند در چند معاہدات کے ذریعہ سے گانٹھنا شروع کیا۔ تاکہ وہ نبی کریمؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو نابود کر سکیں۔ جو آپؐ کو مدد دینے کی جرأت کریں۔

حضورؐ کو بڑی ذمہ داریوں اور تردّدات کا سامنا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ اور عرب کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی حفاظت کا انتظام بھی آپ ہی نے کرنا تھا۔ پس آپؐ نے کوشش کی کہ ایسے قبائل کے ساتھ خیرسگالی اور معاہدات کا رشتہ قائم کیا جائے جو امن و امان کی بحالی اور قانون کی پاسبانی کرنے میں آپ سے متفق ہو سکیں۔ یہ بھی وفاقِ اسلامیہ کی بنیادی اینٹ۔

ان نئے فرائض کی بجا آوری میں حضورؐ نے اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا۔ اور ثابت کر دکھایا۔ کہ آپؐ ایک دانا مدبر، دُور اندیش مدبّر، اور بہادر سپہ سالار ہیں۔ اور باایں ہمہ پیکرِ رحم و کرم ہیں۔ آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو کثیر التعداد دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور طرح طرح کی سختیاں اور مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ لیکن اس کش مکش کا پہلا مرحلہ جو بظاہر یاس انگیز تھا انتہائی فتحمندی پر منتج ہوا۔ اور مکّہ کے دروازے خونریزی کے بغیر اس شخص کے سامنے چوپٹ کھل گئے جو آٹھ سال پہلے اپنے ساتھیوں سمیت بے بسی کی حالت میں مکّہ سے نکالا گیا تھا۔ تب دنیا نے عفو و درگزر کا وہ شاندار نظارہ دیکھا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

ظاہر ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں قیامت تک دستور العمل نافذ کرتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ پیغمبر اسلام کو بفضلِ خدا یہ موقعہ بھی ملا کہ آپ نے اپنی طیّب زندگی میں کامیابی کے ساتھ مذکورہ دستور کو عملی جامہ پہنا کر بھی دکھا دیا۔ تعدّی کرنے سے اسلام صریحاً منع کرتا ہے۔ اور مدافعانہ جنگ کو جائز قرار دیتا ہے۔ قرآنی تعلیم یہ ہے کہ جنگ ایک بھڑکتی آگ ہے۔ اور جب بھی یہ شعلہ زن ہو جلد سے جلد اسے بجھا دینا چاہیئے۔ جنگ کی تمام سفاکیوں اور وحشت ناکیوں کو اسلام نہایت سختی سے منع کرتا ہے اور محاربات کو ایک ایسے ضابطے کا پابند کرتا ہے۔ جو لڑائی میں شائستگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

مسلمانوں کو خدا تعالےٰ نے اجازت دی کہ آزادیٔ ضمیر اور قیامِ امن کے لئے ہتھیار اٹھائیں۔ مسلمان اپنے سے زیادہ لشکروں پر غالب آئے۔ اس وجہ سے پہلے عرب قبائل کے اندر اور پھر ایرانی اور بزنطینی سلطنتوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف حسد اور تشویش کے جذبات اُبھرے۔ اسلامی جمہوریت یکدم منصۂ شہود پر آئی۔ اور یہ جمہوریت اتحاد، ترقی اور تسخیرِ قلوب کی علمبردار تھی۔ اور مذکورہ دونو سلطنتیں اسلامی جمہوریت سے لگّا نہ کھا سکتی تھیں۔ کیونکہ یہ دونوں جن اقدار کی حامل تھیں اسلامی جمہوریت اُن کے خلاف ایک للکار تھی۔ اور ان حکومتوں کی مظلوم و مجبور رعایا کے لئے اسلام کے اندر ایک دلکشی تھی۔ پس جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ دونوں میں ٹکر ہوئی جس کی وجہ سے اسلام کی اشاعت کے لئے دُنیا کے کناروں تک راستے نکل آئے۔

ایک حیرت انگیز قلیل عرصے کے اندر وسیع علاقوں سے تاریکی اور بدنظمی دُور ہو گئی۔ رفاہِ عامہ کے ادارے قائم ہو گئے۔ ایک اعلےٰ اخلاقی نظام ظاہر ہوا۔ علم و فضل اور حکمت و فن دُور و نزدیک پھیلنے لگے۔ دُنیا نے ایک عجیب انقلاب دیکھا۔ یہ انقلاب کوئی عارضی نظارہ یا سراب کی جھلک نہ تھی جو اُبھر کر پھر یکدم نابود ہو جائے بلکہ یہ وہ تغیّر تھا جس کے اندر بے پناہ قوت، فیض رسانی اور استحکام مضمر تھے۔ یہ تغیّر دماغی، جسمانی اور روحانی پیاسوں کو بجھانے والا تھا۔ جس نے انسانی تاریخ کی کایا پلٹ دی۔ اور سُو بسُو ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ پہلی تین یا چار اسلامی صدیوں کو چھوڑ کر ہمارے زمانے میں اس تغیّر کی قوّت پہلے زمانوں سے زیادہ اپنا اثر دکھا رہی ہے۔

آخر اِس قوّت اور استحکام کا راز کیا ہے؟ یہی سوال ہے جس کا جواب ڈاکٹر وگلیری نے اپنی قابلِ قدر کتاب میں دیا ہے۔ مصنّف کا وسیع مطالعہ، گہرا خلوص، ہمدردی اور دقیق فہمی اِس کتاب میں بروئے کار آئے ہیں۔ انہی وجوہات سے مصنّف نے اِس سوال کو بے تردّد، بے خطا، صاف اور صحیح طریق پر حل کیا ہے۔ کتاب گو مختصر ہے مگر اس کے مضامین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ پروفیسر وگلیری نے کامیابی کے ساتھ اسلام کے اہم پہلوؤں پر ایک اجمالی لیکن بصیرانہ نظر ڈالی ہے اور اسلام کو ایسے علمی انداز میں پیش کیا ہے کہ اہلِ مغرب اُن کے گراں بارِ احسان ہیں اور مسلمانانِ عالم تہِ دل سے اُن کے مدّاح ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کے تمام فرقے ہر تفصیل میں مصنّف کے مقالے سے متفق ہوں۔ نقد و نظر میں کچھ اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اِس اہم تصنیف کی قدر و منزلت میں فرق نہیں آتا۔

ڈاکٹر ویگلیری نے اسلام کی تعلیمات اور پیغمبرِ اسلام کی سیرت کو دلی عقیدت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ لیکن عہدِ حاضر میں اُمّتِ مسلمہ کے تنزّل اور انتشار کے

اسباب میں سے ایک سبب پر انہوں نے دلیری سے اپنی انگلی رکھی ہے۔ اور اس کے علاج کی طرف بھی رہنمائی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :۔

" قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے اندر نہ کوئی دشمن تبدیلی پیدا کرسکا۔ نہ دوست۔ جو گردشِ ایام کے اثرات سے محفوظ رہی۔ جو ایک اُمّی اور آخری شارع نبی پر اُتری اور حرف بحرف محفوظ رہی۔ پس مسلمانوں کو اسی خالص چشمے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور جب وہ بلاواسطہ اس مقدس چشمے سے پئیں گے تو اُن کے اندر ایک نئی رُوح اور ایک نئی قوت پیدا ہوگی۔"

بلاشبہ یہی صحیح علاج ہے۔ قرآن کریم وہ وحی ہے جو خدا تعالیٰ کے الفاظ میں محمد صلعم کی طرف نازل ہوئی۔ جو حرف بحرف خدا کا کلام ہے۔ کائنات عالم کو خدا تعالیٰ نے بنایا۔ اور قرآن حکیم میں کائنات کی طرح دائمی زندگی کی صفات پائی جاتی ہیں۔ اور اس کے پھل ہر زمانے میں رُوح کو بالیدگی عطا کرتے ہیں۔ مغربی محققوں میں سے پروفیسر وِیگلیری کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے متعدد امراض کا علاج قرآن حکیم ہی ہے۔

منطقی استدلال کے ماتحت وہ اپنے مقالہ میں لازماً اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ اور اُن کی نکتہ رسی کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآنی ہدایات کے اندر ہر دم تازہ رُوح پرور اور ہمہ نواز آبِ حیات موجود ہے۔ خود قرآن حکیم بھی نوعِ انسان کے لئے یہی تشخیص اور علاج تجویز کرتا ہے۔ مثلاً وہ فرماتا ہے :۔

"(اس دن) رسولِ کریم کہیں گے۔ اے میرے خدا میری قوم نے قرآن (ایسی نعمت) کو چھوڑ دیا۔"

قرآنی ہدایات سے غفلت انسانی امراض کا سبب ہے۔ اور ان ہدایات کی طرف بازگشت ہی اُن کا علاج ہے۔

اِس قیمتی اور مختصر کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں ڈاکٹر آلڈو کسیلی نے کیا ہے۔ جو نہایت قابلِ قدر ترجمہ ہے۔ ترجمہ کرنے کا کام آسان نہیں ہوا کرتا۔

جب کتاب ایک زبان میں ہو اور اس کے مضامین کے ماخذ ایک دوسری زبان میں ہوں اور ایک تیسری زبان میں اس کا ترجمہ کرنا پڑے تو مترجم کی مشکلات میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ محاورے کے بالمقابل محاورہ لانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اصل کتاب میں نہایت نازک اور متین مضامین پر اجمالی بحث ہے۔ اسلئے ضروری تھا کہ ان امور کو ترجمہ میں مشرح کر دیا جائے۔ اور بایں ہمہ کتاب کے متن سے مطابقت بھی قائم رکھی جائے۔ ڈاکٹر کسیلی کا ترجمہ ان دو خوبیوں کا مؤثر اور کامیاب مرقع ہے۔

تمام دُنیا کے مدبر سرگرمی سے کوشاں ہیں۔ کہ بین الاقوامی مفاہمت اور خیر سگالی کے اسباب میں ترقی ہو۔ انہیں ایک مشکل مسئلے کا سامنا ہے جسے نظریات کا تصادم کہنا چاہیئے۔ تقریباً چالیس کروڑ انسان ایسے ہیں جو مراکش سے لے کر چین اور فلپائن تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کی آرزو ہے کہ اسلامی ضابطۂ حیات اور اسلامی اصول دُنیا میں رائج ہوں۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ زندگی کے تمام شعبوں میں انسانی فلاح و بہبود اور عروج و ترقی کا سارا انحصار اسلامی اصول و قوانین پر ہے۔ ان لوگوں کی بڑی تعداد اہلِ مغرب کے استعمار اور سیاسی ماتحتی سے آزاد ہو چکی ہے یا روز بروز آزاد ہو رہی ہے۔ اب ان کو یہ مقام حاصل ہے کہ

اپنے گھریلو اور بین الاقوامی معاملات کا جائزہ لیں اور ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ امن عالم بڑی طاقتوں کے درمیان ایک تذبذب اور بےچینی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ پس امن عالم کے قیام و استحکام کے لئے مسلمان ایک فیصلہ کن امداد بہم پہنچا سکتے ہیں۔ ہر دن جو گزرتا ہے شدت سے اس امداد کا طالب ہے۔ باہمی خیرخواہی کی بڑی ضرورت ہے۔ اور نیز اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ جس ذریعے سے لوگوں کے خیالات، تدابیر اور اعمال بالآخر اثر پذیر ہونے والے ہیں، اُسے بخوبی ذہن نشین کر لیا جائے۔

اِن دنوں مغرب کے علماء اور مصنفین کے اندر شدت سے یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ اسلام کو اچھی طرح سمجھیں، اس کی قدر کریں، اس پر ہمدردانہ غور کریں۔ لیکن عرصۂ دراز کے تعصبات کو دُور کرنے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔ ضرورت ہے سرگرم اور مستقل کوشش کی۔ جو تعصب کو دُور کر دے اور حقیقی قدرشناسی کو اس کی جگہ پر لے آئے۔ اہلِ مغرب کا یہ رجحان رہا ہے کہ وہ عہدِ حاضر کے مسلمانوں کی کمی اور کمزوری کو اسلام کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیتے رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کی کمزوریاں، اسلامی اقدار سے غفلت اور ناواقفی کا نتیجہ ہیں نہ کہ اُن پر عمل پیرا ہونے کا۔

اِن سب امور کے پیشِ نظر پروفیسر وگلیری کی نفیس اور مختصر کتاب ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتی ہے اور اس کا مطالعہ مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے اور غیر مسلموں کے لئے بھی۔

انگریزی میں ترجمہ ڈاکٹر کیبلی کی للّٰہی محنت کا رہینِ منت ہے اور انگریزی دان اصحاب کے لئے تشکر یہ کا موجب ہونا چاہیئے۔

یہ کتاب جس کا نام "حقیقتِ اسلام" ہے وسیع طور پر پڑھی جانی چاہیئے۔ اُمید کہ یہ کتاب اہلِ اسلام اور اہلِ مغرب کے درمیان دوستانہ مفاہمت قائم کرنے اور بین الاقوامی امن کو استحکام دینے میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔

اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔ اہلِ مغرب جب ایک دفعہ اسلامی تعلیمات کو بخوبی سمجھ لیں گے تو خوش دلی سے اُن کی قدر کریں گے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اِس منزلِ مقصود پر پہنچنے میں پروفیسر وگلیری کی کتاب ایک خوش کن رہبر ثابت ہوگی ✦

ہیگ — ظفر اللہ خاں

۲۵ رفروری ۱۹۵۷ء

۱۶

شذرات

۱۔ مولانا محمد طیب صاحب دیوبند کا زرّین اصل

فاضل مدیر المنیر لائل پور نے مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبند کا ایک مضمون زیر عنوان "جماعت اسلامی اور علماء دیوبند کے مابین نزاع کا خاتمہ" شائع کیا ہے اس مضمون میں مولانا موصوف نے اس نزاع کو ختم کرنے کیلئے بنیادی اصل یوں بیان فرمایا ہے :-

"ظاہر ہے کہ جب ارباب کلام نے اپنی مراد کی خود صراحت کر دی تو اس کے بعد کسی کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ ان کے کلام سے ان کی مراد کے خلاف مطلب لیا جائے۔ عبارت خواہ اپنے اسلوب بیان اور قواعد لسان کی رُد سے کتنا ہی خلاف مراد کو نمایاں کرے مگر مراد وہی قبول کی جائے گی۔ جو صاحب کلام صراحت کے ساتھ خود بتلائے۔"

(المنیر ۲۱ مئی ۵۷ء)

درحقیقت تمام باہمی نزاعات کے ختم کرنے کے لئے یہ زریں اصل ہے اور اگر مختلف فرقوں اور مذاہب کے لوگ اس اصل کی پابندی کریں تو بہت جلد مفاہمت ہو سکتی ہے اور بے شمار غلط الزامات کا فوراً ازالہ ہو سکتا ہے

جماعت اسلامی کے علماء نے اپنے کلمات کی مراد واضح کر دی اور مولانا محمد طیب صاحب نے اسے پہلے کلمات کے اسلوب بیان اور قواعد لسان کے خلاف ہونے کے باوجود صحیح تسلیم کر لیا۔ کیونکہ ارباب کلام نے بتا دیا کہ انکی اس کلام سے یہ مراد تھی۔ اب سوال ہے کہ کیا یہ پیمانہ اسلامی جماعت والے صرف اپنے لئے ہی مقرر کرتے ہیں یا وہ دوسرے فرقوں اور جماعتوں کو بھی یہ حق دیتے ہیں۔ کہ وہ بھی اپنے کلمات کی خود وضاحت کریں اور ان کے ارباب کلام کی مراد بھی وہی ماننی چاہیئے جو وہ خود متعین کریں۔

ہمیں یقین ہے۔ کہ اگر یہ لوگ تطفیف سے کام لے کر اپنے لئے اور پیمانہ اور دوسروں کے لئے اور پیمانہ مقرر نہ کر دیں۔ اور بلاوجہ نزاعات کو طول نہ دیں تو جماعت احمدیہ کے خلاف کئے گئے اعتراضات سو فیصدی ایک منٹ میں طے ہو جاتے ہیں۔ کیا مدیر المنیر اور دوسرے علماء اس معقول اصل کو سب کے لئے عام ماننے کے لئے تیار رہیں؟

۲۔ شیعہ صاحبان کے خلاف خطرناک تحریک

اخبار "صداقت" گوجرہ لکھتا ہے :-

(الف) "تحریک ختم نبوت کے دنوں جو انداز مرزائیت کے لئے اختیار کیا گیا تھا اس سے بڑھ چڑھ کر اب مذہب شیعہ کے خلاف کیا جا رہا ہے؟

(ب) "ایک طرف تو حکومت مخلوط انتخاب کا طریقہ رائج کر کے ہندو مسلم اور عیسائی کو وطنی سالمیت کی خاطر پاکستانی قرار دے رہی ہے! دوسری طرف تنظیم اہل سنت کے علاوہ بریلوی۔ دیوبندی فرقوں کے ذمہ دار علماء بھی شیعہ کو دوٹوں کی دھمکی سے اپنے عقائد ترک کر کے تبدیلی مذہب کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ہم حکومت سے کھلے الفاظ میں کہے دیتے ہیں کہ اگر اس فسادی

اور شرپسند طبقہ پر فوراً قابو نہ پایا گیا۔ تو پھر شیعہ مجبور ہو جائینگے کہ وہ پاکستان میں اپنی علیحدہ نمائندگی کا مطالبہ کریں۔" (صداقت ۵ جون ۵۰ء)

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان دنوں بعض شرپسند عناصر پاکستان کی سالمیت کو برباد کرنے کے لئے کس طرح اشتعال انگیزی کر رہے ہیں۔ جو لوگ آج ایک فرقہ کے امن پسند شہریوں کے خلاف عوام کو اکساتے ہیں وہ کل کو دوسرے فرقہ کے امن پسند افراد کے خلاف ہنگامہ برپا کریں گے اسلئے حکومت کا فرض ہے۔ کہ اشتعال انگیزی کا قرار واقعی سد باب کرے اور بہتر ہوگا کہ الیکشن کے موقعہ پر آئین پاکستان کی روح کے مطابق فرقہ داری اور مذہبی عقائد کو درمیان میں لانے کو واضح جرم قرار دیا جائے۔ اور اس طریق سے منتخب ہونے والے کو نااہل ٹھہرایا جائے۔ ورنہ جیسا کہ معاصر "صداقت" نے ذکر کیا ہے شیعہ صاحبان خصوصاً اپنے آپ کو اقلیت قرار دیکر علیحدہ نمائندگی کا مطالبہ کریں گے اور اس طرح پاکستانی قوم کے حصے بخرے ہو جائینگے اور دلوں میں نفرت بڑھے گی اور ملک کو نقصان پہنچے گا۔

۳۔ شیعہ علماء کے ترجمۂ قرآن کا انداز

شیعہ عالم مولوی محمد اسماعیل صاحب "مبلغ اعظم" نے کہا ہے کہ:۔

"حضرت عیسیٰ کو آواز آئی یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ۔ پ۳ آل عمران۔ اے عیسیٰ تجھے وفات نہیں دونگا۔ تجھ کو میں خود اٹھاؤں گا۔ اور تیری تطہیر بھی میں ہی کرونگا۔"

(صداقت ۵ جون ۵۰ء)

سنی صاحبان "انی متوفیک" کے خواہ کچھ معنے کریں مگر انہوں نے آج تک شیعہ عالم کے انداز تک رسائی حاصل نہ کی تھی۔ وہ انی متوفیک کے معنے "تجھے وفات نہیں دوں گا" نہیں کرتے تھے مگر جناب "مبلغ اعظم" کے مبلغ علم نے انہیں یہاں تک پہنچا دیا۔ کہ قرآن مجید، احادیث، عربی زبان اور کتب لغت کے صریح خلاف "متوفی" کے معنے "وفات نہ دینے والا" کر دیئے ہیں۔ اہل علم اس ایجاد بندہ پر سر دھنیں گے

اب اسی اسلوب پر شیعہ صاحبان "تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا" کے معنے یوں کریں گے مجھے مسلمان ہونے کی صورت میں وفات نہ دے آیت اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ کا ترجمہ یوں کریں گے کہ یا تو ہم تجھے بعض وعدے دکھا دیں گے۔ یا تجھے ہم وفات نہ دیں گے اسی طرح حضرت عیسیٰ کے قول فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ کا ترجمہ اب یوں ہوا کرے گا کہ جب تو نے مجھے وفات نہ دے دی تو ان پر تو ہی نگران تھا وھلم جرا۔

کیا مولوی اسمٰعیل صاحب کم از کم اپنی اس نہایت فاش غلطی کو تو مانیں گے دیکھئے کیا جواب ملتا ہے؟

ہم مسلمانوں کی ترقی کی اصل بنیاد

ہفت روزہ المنبر لائل پور لکھتا ہے کہ:۔

"ہم کامل یقین اور ناقابل شکست اعتماد کی بنا پر کہتے ہیں کہ فساد کا اصل منبع آخرت پسندی میں اضمحلال ہے اور جب تک شر و فساد کا یہ سر چشمہ ترجیح آخرت اور غلبہ رضا الٰہی کے مضبوط سیمنٹ سے بند نہیں ہوتا۔ اس وقت تک اصلاح احوال کی تمام کوششیں اسی طرح رائگاں جائیں گی جس طرح اس وقت تک وہ بے نتیجہ ثابت ہوئی ہیں اور بادو زوال کی وہ گھٹائیں جو بار بار اٹھتی اور مسلم اقوام کو ضلالت کی دلدل میں پھنساتی ہیں۔ ان کا سلسلہ نہ رک

سکتا ہے، اور نہ وہ موسم آسکتا ہے
جو توانائی اور صحت کے لئے قدم اول
کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ اور
جب تک اسلام کے علمبردار اس
بنیاد کو فراہم نہیں کر لیتے۔ اسوقت
تک عالمی سطح پر یہ انقلاب رُونما
نہیں ہو سکتا ...... الخ"

(۳۱ مئی ۱۹۵۷ء)

اس اقتباس سے ظاہر ہے۔ کہ دنیوی انقلاب اور قیام امن کے لئے بھی آخرت پر ایمان اور اعتماد ہی اصل بنیاد ہے۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین پیدا نہ ہوگا کسی ٹھوس اور حقیقی اصلاح کی امید نہیں کی جا سکتی مگر سوال تو یہی ہے۔ کہ آیا اللہ تعالیٰ پر کامل یقین یا آخرت کے متعلق پورا ایمان کس طرح پیدا ہو؟ کیا یہ یقین و ایمان کبھی بھی انبیاء کے بغیر پیدا ہوا ہے؟ - اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو بتایا جائے کہ "مسلم اقوام کو ضلالت کی دلدل" سے نکالنے کا کونسا راستہ ہے اور کس طریق سے یہ قوم پھر روحانی عروج کو حاصل کر سکتی ہے کیا محض نعروں سے؟ یقیناً نہیں۔ یہ چیزیں نہ کبھی پہلے قوم کے زوال کو اقبال سے اور ان کے ادبار کو عروج سے بدل سکی ہیں! اور نہ ان سے اب ایسا ہو سکتا ہے۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا۔ کہ مسلمان قوم کے رہنما صحیح طریق فکر و عمل اختیار کریں۔

۵۔ مجلس احرار کو مغربی پاکستان میں خلاف قانون قرار دیدیا گیا

احراری اخبار "نوائے پاکستان" لاہور لکھتا ہے:۔

"یاد رہے کل مورخہ ۲۷ جون کو حکومت مغربی پاکستان نے مجلس احرار کو صوبہ بھر میں خلاف قانون جماعت قرار دیا ہے۔ سرکاری گزٹ کی ایک غیر معمولی اشاعت میں صوبائی حکومت کے اس فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ چونکہ مجلس احرار کی سرگرمیوں سے حکومت اور امن عامہ کو خطرہ ہے، اس لئے صوبائی گورنر نے کریمنل لاء امینڈمنٹ ایکٹ مجریہ ۱۹۰۸ کی دفعہ ۱۶ کے تحت حاصل شدہ اختیارات کی رُو سے سابق حکومت پنجاب کے نوٹیفکیشن مجریہ ۴ جولائی ۱۹۵۳ء کو منسوخ کرتے ہوئے مجلس احرار کو ایک خلاف قانون جماعت قرار دیدیا ہے۔!

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے۔ کہ سابق حکومت پنجاب کے متذکرہ صدر نوٹیفکیشن کی رو سے "مجلس احرار" صرف پنجاب کی حدود میں خلاف قانون جماعت تھی۔ مگر مغربی پاکستان کے دوسرے حصّوں میں اس پر کوئی پابندی نہ تھی۔ چنانچہ اس خیال کے تحت کہ سابق حکومت پنجاب اور صوبہ پنجاب کے ختم ہو جانے کے بعد اب وحدت مغربی پاکستان میں ان کی جماعت پر کسی قانونی پابندی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مجلس احرار کی جنرل کونسل کا اجلاس ۱۹-۲۰-۲۱ جولائی کو منعقد کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ مگر صوبائی حکومت نے اس موقف کو تسلیم نہ کرتے ہوئے ایک تازہ حکم کے ذریعہ مجلس احرار کو پورے صوبہ مغربی پاکستان میں خلاف قانون قرار دیدیا ہے"۔ (۳۰ جون ۱۹۵۷ء)

الفرقان:۔ ہم اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں سمجھتے +

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کیساتھ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ[1] ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ

لوگ تجھ سے چاندوں (کے بار بار طلوع) کے بارے میں دریافت کریں گے۔ انہیں جواب دیں کہ چاند لوگوں کے لئے اوقات

وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا

مقررہ ہیں اور حج کے لئے گھروں میں ان کے پچھواڑے سے آنا کوئی نیکی نہیں ہے

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى[2] ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪

لیکن نیکی تو اس کی ہے جو تقویٰ شعار ہے۔ مکانوں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ

اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تا تم فلاح حاصل کر سکو۔ راہ خدا میں صرف انہی

سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں تم حد سے تجاوز نہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان (جنگ کا آغاز کرنے والوں) کو جہاں

---

[1] الاھلۃ: ھلال کی جمع ہے۔ ہلال مہینے کے ابتدائی ایام کے چاند کو کہتے ہیں۔ بعض اہل لغت نے مہینہ کو بھی ہلال قرار دیا ہے۔ رمضان المبارک کی خوبیوں کے ذکر سے باقی مہینوں کی برکات معلوم کرنے کیلئے سوال پیدا ہونا طبعی امر تھا۔

[2] عرب لوگ حج کی نیت سے نکلنے کے بعد ضرورتاً گھر میں دروازہ سے داخل نہ ہوتے تھے پچھواڑے سے آتے تھے۔ اس کی تردید فرمائی عام قانون کے رنگ میں فرمادیا کہ ہر کام میں کامیابی کے لئے جو دروازہ مقرر ہے اسے اختیار کیا کرو۔

ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

پاؤ قتل کر سکتے ہو ان کو اس جگہ سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

فتنہ (مذہبی جبر و تشدد) کرتے رہنا قتل کرنے سے بھی خطرناک ہے۔ ہاں ان سے المسجد الحرام کے پاس

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ

جنگ نہ کرنا جب تک وہ خود اسجگہ تم سے لڑائی شروع نہ کر دیں۔ اگر

قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

وہ تم سے جنگ شروع کر دیں تو (وہاں بھی) ان کو قتل کر سکتے ہو۔ ان فتنہ پرور کافروں کی یہی سزا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْهُمْ

اگر وہ بعد ازاں (کسی مرحلہ پر بھی) باز آجائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے۔ تم ان لوگوں سے جنگ کرتے چلے جاؤ

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۗ فَاِنِ

جب تک کہ یہ فتنہ ختم نہ ہو جائے اور مذہب کا اختیار کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر نہ رہ جائے۔ ہاں اگر وہ

انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

جنگ سے رُک جائیں تو پھر بجُز ظالموں کے اَور کوئی اپنی زیادتی اور عدوان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

؎۲ الفتنة کے معنے عذاب اور آزمائش کے ہوتے ہیں۔ اسجگہ سیاق کلام کے لحاظ سے فتنہ سے مراد وہ مذہبی جبر و تشدد ہے جو کفارِ مکہ اسلام میں داخل ہونے والے غریب مسلمانوں پر کیا کرتے تھے۔ وہ انہیں قتل کر دیتے تھے اور قید کر دیتے تھے اور جلاوطن کر دیتے۔ قرآن مجید میں اسی صورتِ حال کو فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی صورتِ حال اِس بات کی ذمہ دار تھی کہ مسلمانوں کو دفاعی طور پر تلوار اٹھانی پڑی۔ صحیح البخاری کتاب التفسیر میں اس الفتنة کے یہی معنے بیان ہوئے ہیں۔

الفتنة اشد من القتل کے یہ معنے ہیں کہ مسلمانوں کا دفاعی طور پر بھی کفار کو قتل کرنا ہم نہیں چاہتے۔ مگر کیا کیا جائے کفار کی طرف سے روزمرہ کا مذہبی جبر و تشدد اس سے بھی ہولناک ہے اس فتنہ کو مٹانے کیلئے یہ صورت اختیار کی جا رہی ہے۔

؎۳ آغازِ جنگ کفار کی طرف سے ہوتا ہے اسلئے جس مرحلہ پر بھی وہ جنگ ترک کر دیں جنگ ختم ہو جائے گی ورنہ اس وقت تک جنگ جاری رکھنا ناگزیر ہے جب تک مذہبی جبر و تشدد مٹ کر مذہبی آزادی حاصل نہ ہو جائے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ

عزت والے مہینے (جن میں جنگ ممنوع تھی) عزت والے مہینوں کے مقابلہ میں ہیں (یعنی انکا احترام ہردو فریق کی طرف سے ہونا چاہیئے) اور قابل عزت

قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ

چیزوں کا بدلہ لینا ضروری ہے۔ جو تم پر کسی قسم کی زیادتی کرے اس کو اس کی زیادتی کے عین مطابق

بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

سزا دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور خوب جان لو

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ شعاروں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ

اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ

تحقیق اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔ حج اور عمرہ کو محض اللہ کی خاطر انجام

لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

دیا کرو۔ اگر تم کو راستے میں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر آسکے وہی بھیج دو۔

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ

پھر قربانی کے ذبح ہونے کی جگہ پہنچ کر ذبح ہونے تک اپنے سر مت منڈاؤ۔

؎ عربوں کو شروع سے یہ قانون مسلّم تھا کہ سال میں چار مہینے (ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ۔ محرم الحرام اور رجب) ایسے ہیں جن میں جنگ کرنا حرام ہے۔ اسی لئے ان کو الاشہر الحرم کہتے تھے۔ اسلام نے اس قانون کو جاری رکھا اور دائمی قرار دیا۔ اس جگہ فرمایا کہ ہردو فریق کو ان مہینوں کا مساوی احترام کرنا چاہیئے۔

؎ اس میں اصول بتایا ہے کہ جو لوگ اپنے قومی اور جماعتی مصالح کے لئے اپنے اموال اور اپنی استعدادوں کو مصرف میں نہیں لاتے وہ اپنی ہلاکت کے لئے اپنے ہاتھوں گڑھا کھودتے ہیں۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ

البتہ تم میں سے جو بیمار ہو جائے یا اسے شدید دردِ سر شروع ہو جائے (اور اسے سر منڈوانا پڑے) تو اسکے ذمہ

مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ

روزے یا صدقہ یا ذبح بطور فدیہ ہوگا ۔ پھر جب تم امن میں آجاؤ (اور خطرے کے ایام جا چکے ہیں)

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

تو جو شخص عمرہ اور حج کو اکٹھا ادا کرکے (قران کی صورت میں) فائدہ اٹھانا چاہے اسکے ذمہ میسر آنے والی

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

قربانی ہے ۔ تمتع کی صورت میں جسے قربانی نہ ملے تو وہ حج کے موقع پر تین روزے رکھے

فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ

اور سات دنوں کے روزے رکھے جب تم گھر واپس آؤ گے ۔ یہ کل پورے دس روزے ہوں گے ۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ

یہ صورت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے اہل و عیال المسجد الحرام (مکہ) میں حاضر نہیں ہیں

الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ع

تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ گرفت کرنے میں بہت مضبوط ہے ۔

ے اگر حاجیوں کو راستہ میں روک دیا جائے تو وہ قربانی بھیج سکتے ہیں ۔ البتہ امن کی صورت میں انہیں خود منیٰ میں قربانی کرنی چاہیئے ۔

ا حج اور عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج مقررہ ایام میں ہوتا ہے اور عمرہ محض زیارت کا نام ہے جو سال میں کسی وقت ہو سکتی ہے ۔

تمتع یہ ہے کہ حج اور عمرہ کو اشہر الحج میں اکٹھا ادا کر دیا جائے ۔ دور دراز سے آنیوالوں کو یہ رعایت حاصل ہے ۔

ے تمتع کرنے والے کے لئے قربانی دینا فرض ہے ۔ اگر اسے قربانی میسر نہ آسکے تو ایام الحج میں تین دن اور پھر گھر پہ آکر سات دن کے روزے رکھے ۔ تین اور سات بہرحال دس ہوتے ہیں ۔ تلك عشرة كاملة کہنے میں یہ حکمت ہے کہ عربی زبان میں واؤ کبھی اَوْ کے معنے بھی دیتی ہے اس صورت میں احتمال پیدا ہو سکتا تھا کہ حج کے ایام میں رکھنے کی صورت میں تین روزے ہیں اور گھر پہ آکر رکھنے کی صورت میں سات ہیں ۔ تلك عشرة كاملة کہہ کر اس احتمال کی تردید کرکے حکم کو واضح کر دیا ۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے

مورخہ ۲۶ مارچ ۵۸ء کو بمقام نیو یارک "امریکن فرینڈز آف دی مڈل ایسٹ" کی سالانہ کانفرنس میں محترم چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے ایک اہم تقریر فرمائی جسے کانفرنس کے حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس تقریر کا ترجمہ احباب کرام کی دلچسپی کے لئے پیش خدمت ہے۔ (خاکسار حافظ قدرت اللہ عفی عنہ مبلغ اسلام مقیم ہیگ۔ ہالینڈ)

مذہب امن عالم کے لئے بمنزلہ کلید ہے

عالمی عدالت انصاف کے جج مکرم جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے فرمایا۔ کہ گزشتہ دنوں مشرق وسطی جن حالات میں سے گزرا اور جس رنگ میں ان حالات نے دنیا کو دیکھا۔ وہ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم ان حالات کا غور سے مطالعہ کریں اور ان اسباب کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ پاکستان کے سابق وزیر خارجہ نے فرمایا کہ ان وسطی ممالک کے تمدنی اور معاشرتی حالات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم عرب دنیا پر اثر انداز ہونے والے اس بنیادی سبب کو پورے طور پر جاننے کی کوشش کریں جو وہاں کے لوگوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور جو ان کو ایسے رنگ میں متحد کئے ہوئے ہے جس کی نظیر دنیا میں کسی اور جگہ ملنی مشکل ہے۔ یہ بنیادی سبب ان کا مذہب اسلام ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کہ اس میں شک نہیں کہ ان ممالک کے آپس میں علاقائی رنگ کے اختلافات بھی موجود ہیں۔ تاہم عمومی رنگ میں مذہب اسلام ان سب کو ایک حلقہ میں مضبوطی کے ساتھ متحد کئے ہوئے ہے۔ جس کو نظر انداز کرنا درست نہ ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ کہ آج عرب ممالک کو بعض خاص وجود کی بنا پر دنیا میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ علاقہ امن عالم کے لئے نہایت اہم اور ضروری ہے۔ دنیا کی مجموعی بہبودی جس رنگ میں ان ممالک کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس بات کا واضح امکان ہے کہ آئندہ یہی حصہ امن عالم کے لئے ایک نہایت ہی موثر اور فیصلہ کن حقیقت ثابت ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ کہ گزشتہ دنوں نہر سویز کے بند ہو جانے سے جو مشکلات آمد و رفت کے سلسلہ میں یا تیل کی سپلائی کے ضمن میں مغرب کو پیش آئیں ان سے یہ بات کافی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ عرب ممالک کا تعاون مغرب کے لئے کیا قیمت رکھتا ہے۔ اور کس حد تک ان کی اقتصادیات، صنعت و حرفت اور ان کی عام زندگی اس سے متاثر ہو سکتی ہے۔ ان حالات میں یہ امر از حد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس بنیادی امر کا پورے طور پر جائزہ لیں۔ اور اس کا گہرے رنگ میں مطالعہ کریں جو عرب باشندوں کے تہذیب و تمدن پر اور ان کے خیالات پر حاوی ہے۔ اس طریق سے ہم انہیں زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے قابل ہو سکیں گے۔

آپ نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ اس غرض کے لئے مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن مجید کا گہرا مطالعہ بہت ضروری اور اہم ہے۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو مسلمانوں کے مذہب کی بنیاد اور ان کے تمدن اور تہذیب کا

منبع ہے۔ یہ کتاب خدا کا کلام ہے۔ جو خدا کے رسول حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا اور آج تک جوں کا توں محفوظ ہے جس سے کسی مخالف کو بھی انکار نہیں۔ یہ مقدس کلام اور کتاب اللہ آج تک زندہ اور قائم ہے، اسی طرح جس طرح یہ دنیا زندہ اور قائم ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام اپنی ذات میں بجائے خود ایک عالم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

آپ نے فرمایا۔ مغرب کے لئے اِس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اس کا مذہب صرف عبادات اور بعض اوامر و نواہی کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ وہ ان کے لئے ایک مکمل نظام پیش کرتا ہے۔ جو زندگی کے تمام شعبوں پر پوری طرح حاوی ہے۔ مغربی دُنیا کا یہ نظریہ کہ ملکی نظام اور مذہب دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں اسلامی دُنیا میں کوئی جگہ نہیں رکھتا اور نہ اسے عالمِ اسلام پر چسپاں کیا جا سکتا ہے۔

تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے اس امر کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ کہ انجیل میں قرآن کریم کو "مکمل صداقت" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو تمام بنی نوع انسان کے لئے عالمگیر رنگ میں ہدایت اور رہنمائی کا سامان پیش کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ قرآن کریم خدا تعالےٰ کی الہامی کتاب ہے۔ اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اس میں خدا تعالےٰ نے یہ خوبی رکھی ہے کہ انسان ہر زمانہ میں اپنی ضروریات اور استعداد کے مطابق اس کے اصولوں سے راہنمائی حاصل کرتا اور ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم میں تمام پیش آمدہ مشکلات اور مسائل کا مناسب حل موجود ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب گزشتہ تاریخ پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں مسلمانوں کی بعض ناکامیاں اور ان کے تنزل کے واقعات بھی نظر آتے ہیں مگر اس کی وجہ قرآنی تعلیمات کا نقص قطعاً نہیں۔ بلکہ ایک وجہ اس کی قرآنی تعلیم سے مسلم قوم کی ناواقفیت ہے۔ اور دوسری وجہ ان کا اسلامی تعلیمات سے اعراض اور ان سے پہلوتہی ہے۔ ورنہ اگر وہ استقلال کے ساتھ قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا رہتے تو یقیناً مسلمانوں کی حالت موجودہ حالت سے بہت مختلف ہوتی۔

اگر قرآنی تعلیم کی وسعت اور جامعیت کو اصل رنگ میں سمجھ لیا جائے۔ اور اسلام کے پیش کردہ اصولوں کی حقیقت کو پورے طور پر ذہن نشین کر لیا جائے کہ پیش آمدہ سیاسی یا تمدنی مسائل کے سلجھاؤ کیلئے اسلام کس رنگ میں راہنمائی کرتا ہے۔ تو اس سے ایک مسلمان کے طرزِ فکر کو سمجھنے میں بہت مدد مل سکے گی۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ ہمارے وہ احباب جو سچے دل سے اس بات کے خواہشمند ہیں کہ وہ مسلمانانِ عالم کو سمجھیں، ان کی مشکلات اور ان کے مسائل کو حل کریں اور ان سے دوستانہ تعلقات کو استوار کریں انہیں چاہیئے کہ وہ اس منبع یعنی قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات کا گہرے طور پر مطالعہ کریں جو کروڑ ہا مسلمانوں کی زندگی اور طرزِ معاشرت پر نہ صرف حاوی ہے۔ بلکہ ان کی زندگی کا جزو بن چکا ہے۔

بخل

ایک بخل یہ بھی ہے کہ عالم انسان اپنے علم سے دوسرں کو فائدہ نہ پہنچائے۔ آپ اس سے بھی بچیں۔

اصل مقصدِ حیاتِ انسانی اور اس کے حصول کے طریق!

(از حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی)

۱۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ
قرآنی آیت ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی قدوس ہستی انسانوں کی پیدائش کے متعلق خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے، افسر ہوں یا ماتحت، یہ ارشاد پیش کرتی ہے کہ میں نے سب کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری معرفت اور محبت اور کامل شناخت اور کامل پیار کے ذریعے اپنے محسن اور معبود خالق کی عبادت سے اس کے ایسے عبد ہو جائیں کہ جیسے خادم اپنے مخدوم کی خدمت مخلصانہ اور فرمانبرداری سے آلہ بن کر اس کا کام کرتا ہوا اسکی اطاعت کا نمونہ دکھاتا ہے۔

۲۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ انسانی جسم اور روح کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اور ہر صانع اور کاریگر جس چیز کو بھی بنانا چاہتا ہے اس کے بنانے کی کوئی غرض پہلے اپنے ذہن میں معین کر لیتا ہے اور وہ غرض پوری کرنے کے لئے صانع اپنے علم اور حکمت اور قدرت کے ذریعہ سے اس صنعت کو ابتدا سے انتہا تک تکمل کر کے دکھاتا ہے جس سے مخلوق بھی فوائد حاصل کرتی ہے اور صانع کی بھی کمال صفت سے تعریف، اور خوبی کے لحاظ سے دنیا پر شانِ پُرعظمت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر وہ کمال مقناطیسی جذب سے قلوب کو صانع کی طرف کھینچتا ہے تا تعلیم و تربیت سے وہ کمال دوسروں کو بھی حاصل ہو سکے اور اس طرح سے دُنیا بھی علوم و فنون کے حصول کے لئے مختلف درسگاہوں کی مثال اپنے اندر رکھتی ہے۔

۳۔ غور کرنے سے دو طرح کے نظام معلوم ہوتے ہیں۔ ایک نظام تو عام اور عالمگیر وسعت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ جس کے معلومات اور اس کی اشیاء کے خواص مشاہدات اور تجارب اور قیاسات اور استدلال کے ذریعے سمجھ میں آسکتے ہیں اور ان کے سمجھنے کے لئے دماغی اور عقلی ذہانت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور دوسرا نظام شریعت کا ہے جو دُنیا میں خدا کے نبیوں اور رسولوں کے واسطہ سے خدا تعالیٰ کی وحی اور ہمکلامی کے ذریعے قلبی حواس اور رُوحانی قوتوں کے لطیف احساسات کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ نظام دُنیا کے حقائق اور دقائق سمجھنے کیلئے انسانی دماغ کو بطور مرکز بنایا گیا ہے اور روحانی نظام یعنی نظام شریعت جس کے ذریعے رؤیا صالحہ اور مکاشفات اور شرفِ مکالمات و مخاطبات اور امور غیبیہ کے عقل و قیاس سے بالا حقائق و اسرار و دقائق کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔ اس روحانی نظام کا مرکز انسانی قلب کو قرار دیا گیا ہے۔ اور جس طرح دنیا کا ظاہری نظام اور اس کے علوم و فنون کو حاصل کرنے کے لئے مرکز دماغ کے ذریعے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اسی طرح دین اور شریعت کے روحانی نظام کے ذریعے اسرار روحانیہ مرکز قلب کے رُوحانی حواس سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

۴۔ پھر دماغ اور قلب دونوں انسانی روح

کے لئے نائب بنائے گئے ہیں۔ دماغ کو محلِ ادراک
بنایا گیا ہے اور قلب کو محلِ احساس۔

دماغ ادراک کے ذریعے صرف علم کا فائدہ دیتا
ہے جیسے وکیل کا علم وکالت تک محدود رہتا ہے اور
قلب مجسٹریٹ کی طرح علم کے ساتھ اقتداری قوت
بھی رکھتا ہے کہ علمی بحث کے بعد مجرم کو سزا دینا یا اُسے
چھوڑ دینا دونوں وصف اس میں پائے جاتے ہیں۔
اور جس طرح وکیل مجسٹریٹ کی برابری نہیں کر سکتا اسی طرح
مرکزِ دماغ بھی مرکزِ قلب کی برابری نہیں کر سکتا۔ دماغ
کا مرکز بحالتِ خواب بیکار ہو جاتا ہے۔ آنکھ، کان، زبان
اختیاری افعال سے الگ کر دیئے جاتے ہیں لیکن قلب
بحالتِ خواب بھی نظامِ روحانی کے علوم اخذ کرنے
کا فائدہ لیتا ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ اور آپ کے
وقت کے شاہِ مصر کا خواب جو مدتِ دراز کے واقعات
کی حقیقت پر دلالت کرنے والے تھے قلب کے ذریعے
دکھائے گئے۔

۵۔ پھر مرکزِ دماغ کے ذریعے عقلی علوم سے
ظنی اور نامکمل معرفت صرف احتمال کی حد تک حاصل
ہوتی ہے اور قلب جو روحانی قوتوں اور لطیف حسوں
کا مرکز بنایا گیا ہے دماغی قوتوں کے ذریعے جو ظنی علومِ
الٰہیات سے زیادہ سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتیں اور
نامکمل معرفت تک ہی اس کی رسائی ہے اس کی اس کمی
اور نامکمل معرفت کو کامل معرفت اور عرفانِ تام تک
قلب کی روحانی قوتیں ہی پہنچا سکتی ہیں۔

مثلاً عقلِ انسانی جو استدلال کے رُو سے مرکزِ
دماغ سے تعلق رکھتی ہے مصنوعاتِ عالم پر نگاہ دوڑا کر
غور کرنے سے صرف صانع کے وجود کے متعلق اتنا ہی
قیاس کر سکتی ہے کہ اس کارخانہ مصنوعات کا کوئی صانع
ہونا چاہیئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کے
ذریعہ سے خدا تعالیٰ اپنی وحی اور الہام و کلام کو قلب
پر اُتار کر یہ کامل معرفت بھی عطا کرتا ہے کہ مصنوعات کا
صانع موجود ہے اور تمام مصنوعات کے اجسام اور
ارواح اور عالم کائنات کا ذرہ ذرہ اور اس کی ہر
قوت اسی صانع کے علم اور حکمت اور قدرت کے ماتحت
نظامِ ظاہری و باطنی کی ترتیب اور ترکیب ہر آن عمل میں
آ رہی ہے۔

۶۔ پھر خدا تعالیٰ کے انبیاء اور مرسلین اور انکے
خلفاء کی پاک صحبتوں اور ان کی صحیح تعلیم اور تربیت کے
ذریعے قوم کے طالبانِ ہدایت کو بھی وہ روحانی معرفت
اور محبت اللہ تعالیٰ کی ان روحانی برکتوں اور اس کے
شرفِ مکالمات و مخاطبات کی روحانی نعمتوں سے بقدر
استعداد ضرور حصہ ملتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا تعلق
پیدا ہو کر اس کا قرب و وصال نصیب ہونے سے انسان
اپنی زندگی کا حقیقی مقصد حاصل کر لیتا ہے اور اسوقت
ایسا عارف اس حقیقت سے بھی بخوبی آگاہ کر دیا جاتا ہے
کہ عبد اور معبود اور عبودیت کی اعتقاداً و عملاً و اخلاقاً
بلحاظ معرفت حقہ و بصیرتِ روحانیہ کیا حیثیت پائی جاتی
ہے۔ پس دنیا میں خواہ کتنے بھی نظام کتنے بھی فلسفی علوم کالجوں
کی شکل میں قائم ہوں الٰہیات کے متعلق صحیح علم اور روحانی
معرفت صرف روحانی مقدس ہستیوں کے ذریعے مل سکتی ہے۔
حضرت اقدس سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
فرماتے ہیں ؎

فلسفی کز عقل مے جوید ترا دیوانہ ہست
دُور تر ہست از خرد ہا آں رہِ پنہانِ تو
از حریمِ تو ازیناں ہیچ کس آگاہ نشد
ہر کہ آگاہ شد شد است از لطفِ بے پایانِ تو

ایسینی فرقہ کے قدیم لٹریچر میں حضرت مسیح ناصری کی نامعلوم زندگی کے حالات

اخوتِ ایسین کی مختصر تاریخ

(۲)

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب لائل پوری - لاہور)

مختصر تاریخ پہلی صدی عیسوی کے نامور مورخ جوزیفس کی "تاریخ اسلاف" کی رُو سے :-

"۱۴۶ قبل مسیح کے قریب، یہودیوں میں تین فرقے موجود تھے۔ جن کے انسانی اعمال ومعاملات کے متعلق مختلف خیالات تھے۔ ایک فریسی، دوسرا صدوقی اور تیسرا ایسین"۔

مشہور مسیحی مورخ نینڈر اپنی کتاب "لائف آف کرائسٹ" میں لکھتا ہے کہ :-

"حضرت مسیح ناصری کے زمانہ میں یہود فریسی، صدوقی اور ایسینی فرقوں میں منقسم تھے۔ ایسینی اسرائیلی تصوف کے حامل تھے۔ یہودی مذہب اور قدیم مشرقی تھیوسوفی کے امتزاج کے نتیجہ میں ایسینی فلسفہ حیات پیدا ہوا[1]"۔

کہا جاتا ہے کہ "ایسین" کلدانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "طبیب" کے ہیں۔ علماءِ فطرت و مذہب کا یہ گروہ چونکہ طبابت میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور خدمت خلق کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ اسلئے یہ نام ان کو دیا گیا[2]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسین کے معنی سریانی کے رو سے "پارسا" کے ہیں۔ بعض کے نزدیک فریسیوں نے ازراہِ تحقیر یہ نام اس گروہ کو دیا تھا، اور اس کے معنی بروئے عبرانی "باہر کے لوگ" ہیں یعنی باوجود راسخ العقیدہ عاملانِ تورات ہونے کے علماءِ اسرائیل انہیں یہودیت سے خارج سمجھتے تھے۔ ایسین نام علماء تک محدود تھا۔ عوام الناس میں یہ فرقہ مختلف ناموں سے موسوم تھا۔ اپنے سفید و براق لباس اور پاکیزہ زندگی کی وجہ سے اس فرقہ کے لوگ عوام الناس میں "سفید برادران" کے نام سے مشہور تھے۔ یا عام طور پر ناصری کہلاتے تھے۔ اور ان کے دوسرے نام ہیں "مقدسین کا گروہ"۔ "خاموشی پسند لوگ"۔ "پارسا" اور "زخموں کے چارہ گر"[1]۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو Mystical Life of Jesus)

---

[1] لائف آف کرائسٹ جلد اول صفحہ ۳۶ تا ۴۰ و ہسٹری آف کرسچین ریلیجن جلد اول صفحہ ۶۰۔

[2] علم صحت الابدان میں ان کو پوری دسترس حاصل تھی۔ وہ ہمیشہ نباتات اور معدنیات کے خواص کی تحقیق کرتے رہتے تھے۔ حکیم نقادیمس اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا جس نے حضرت مسیح ناصری کے صلیبی زخموں کا علاج معجزنما طریق پر کیا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو قدیم مکتوب سکندریہ واقعاتِ صلیب کی چشم دید شہادت۔

انجیل میں اِس فرقہ کا واضح ذکر نہیں ہے لیکن یہ ذکر موجود ہے کہ واقعۂ صلیب کے مصائب میں کچھ سفید پوش لوگ حضرت مسیح ناصری کی مدد کے لئے خفیہ ذرائع استعمال میں لا رہے تھے۔ ان لوگوں کو بعض سادہ لوح عورتوں نے فرشتے سمجھ لیا۔ (لوقا $\frac{24}{1 \text{ تا } 9}$، مرقس $\frac{16}{5}$، یوحنا $\frac{20}{12}$، اعمال $\frac{1}{10}$) یہ لوگ کون تھے؟ آبائے یسوعین میں سے اوریجن (المتوفی ۲۵۴ عیسوی) کا نام محتاج تعارف نہیں۔ وہ اپنی کتاب میں ایک "بیگن بفاضل" Casus نامی کے اعتراضات کا جواب دیتا ہے۔ اس بیگن فاضل نے تیسری صدی مسیحی میں انجیل پر جو اعتراض کیا ہے۔ وہ اوریجن کی کتاب میں بایں الفاظ محفوظ ہے :-

"اناجیل میں مسیح کے قبر میں زندہ ہونے کے بیان میں جن دو فرشتوں کا ذکر ہے کہ وہ سفید براق لباس میں نظر آئے وہ دراصل "اخوت ایسین کے ممبر تھے۔ مسیح کے شاگرد ان سے واقف نہ تھے انہوں نے ان کو فرشتے سمجھ لیا۔ حالانکہ اخوتِ ایسین کے قانون کی رُو سے وہ سفید لباس میں ملبوس تھے۔"

(Origin : C. Cells., C.53)

اِس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ تیسری صدی عیسوی تک یہ خیال عام تھا کہ فرقہ ایسین کے سفید پوش برادران حضرت مسیح ناصریؑ کے انصار میں شامل تھے۔[1]

پہلی صدی عیسوی کے مؤرخین جوزیفس، پلینی اور فیلو کے بیانات کا خلاصہ اخوتِ ایسین کے بارے میں درج ذیل ہے :-

۱- جوزیفس لکھتا ہے :-

"ان لوگوں کا زہد و تورع بلا کا ہے سورج نکلنے سے پیشتر وہ اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ اور دنیاوی معاملات سے متعلق بات چیت کرنے سے پہلے اپنی عبادت سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد جن جن باتوں میں وہ ماہر ہوتے ہیں ان کا امیر (صدر) انہیں ان امور کی سرانجام دہی کے لئے بھیج دیتا ہے۔ واپس آ کر وہ ٹھنڈے پانی سے غسل کر کے سفید لباس پہن لیتے اور عبادتخانہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ دعاؤں اور مناجاتوں کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ جس کے اول و آخر خدا کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں اپنے امیر کے حکم کے تابع رہتے ہیں۔ .... ان میں سے بعض لوگ آئندہ کی باتوں کے متعلق پیش گوئیاں بھی کرتے

---

[1] قرآن مجید سے بھی اِس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے حضرت مسیح ناصری کے انصار کا نام "حواری" بتایا ہے۔ جنہوں حادثۂ صلیب میں ان کے مددگار تھے اور یہودیوں کی سازشوں اور منصوبوں کے جواب میں الٰہی تدبیروں (مکر اللہ) میں شریک تھے۔ حواری نام عربی اور عبرانی لغت کی رو سے "حور" سے مشتق ہے اور حواری کے معنی ایں صاف و سفید کپڑے یا کپڑوں کو دھو کر سفید و براق کرنے والے لوگ (عربی لغت کے علاوہ ملاحظہ ہو عبرانی لغت از پادری ولیم ہوپر ص۱۵۹) اخوتِ ایسین کے برادرانِ طریقت کو جب عوام الناس "سفید برادران" کے نام سے یاد کرتے۔ تو قرین قیاس یہی ہے کہ اپنی زبان میں وہ انہیں "حواری" ہی کہتے ہوں گے۔ ایسینی لٹریچر سے ثابت ہے کہ بعثت سے قبل حضرت مسیح ناصریؑ اور انکے بعض انجیلی شاگرد اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی فرقہ کے لوگوں نے سب سے پہلے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور [illegible]

ہیں اور مذہبی کتابوں پر خاص طور پر عبور رکھتے ہیں - ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں سب کچھ خدا کی مشیت کے تابع ہوتا ہے اور اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا"

۲ - پلینی (المتوفی ۷۹ء) ان لوگوں کے بارے میں لکھتا ہے :-

"یہی ایک فرقہ ہے جس کے لوگ بغیر مال و متاع اور زن و اولاد[1] کے زندگی بسر کرتے ہیں - اور کھجوریں وغیرہ کھا کر زندہ رہتے ہیں - وہ لوگ جو زندگی کی مشکلات اور صعوبات سے گھبرا اُٹھتے ہیں ان میں آ کر شامل ہو جاتے ہیں - قریب قریب ہر بستی میں اس فرقہ کے لوگ موجود ہیں - جو اپنے فرقہ سے متعلق مسافروں کی اس طرح تواضع کرتے ہیں گویا وہ خود ان میں سے ہیں - خواہ انہوں نے ایک دوسرے کو پہلی مرتبہ ہی کیوں نہ دیکھا ہو - جب وہ سفر کے لئے نکلتے ہیں تو اپنی مدافعت کے ہتھیاروں کے علاوہ اور کچھ زادِ راہ وغیرہ ساتھ نہیں رکھتے - ہر بستی میں ان کے فرقہ کا ایک امیر ہوتا ہے - جس کے ذمہ ان مسافروں کی دیکھ بھال ہوتی ہے - وہ ایک دوسرے کے ہاتھ خرید و فروخت نہیں کرتے بلکہ جس کے پاس کچھ فاضل ہو وہ اسکے حاجت مند کو بلا قیمت دے دیتا ہے"

۳ - فیلو (Philo) المتوفی سنہ ۵۰ء کے بیان کے مطابق اس فرقہ کی بستیوں میں معابد اور خانقاہیں ضرور ہوتی ہیں - خانقاہوں میں یہ لوگ روحانیت کی بلند و بالا زندگی کے متعلق بڑی بڑی پُر اسرار ریاضتیں کرتے اور اپنے اسرار و بواطن کسی کو نہ بتاتے خواہ ان کی جان پر بھی کیوں نہ بن جاتی - ان کے پاس ازمنۂ قدیمہ کے نوشتے بھی محفوظ رہتے - ان کے نوشتوں میں ساتھ کے ساتھ اضافہ بھی ہوتا رہتا - خدمتِ خلق ان کا مسلک اور بیماروں کا علاج سب سے نمایاں فریضہ ہوتا - اور یہ سب کچھ بلا مزد و معاوضہ سر انجام دیا جاتا -

۴ - مسیحی مورخ یوسی لیس (المتوفی ۳۴۰ عیسوی) نے فیلو کے حوالہ سے ان سے متعلق معلومات اپنے ہاں محفوظ رکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ درویش منش، مرنجاں مرنج زندگی بسر کرتے تھے - اور ایک آنے والے مسیحا کے منتظر تھے - جو دنیا میں عدل و مساوات کا نظام قائم کرنے والا تھا - یہ لوگ اپنی صداقتِ زبان کے لئے مشہور تھے - اور خدا کے سوا کسی کو اپنا آقا تسلیم نہیں کرتے تھے - ان کی زندگی نہایت ضبط و انضباط کی تھی - بلکہ اس میں بہت زیادہ تشدد برتتے تھے - ان کی ایک شاخ تجرد کی زندگی کی قائل تھی اور دنیاوی حظوظ و لذائذ کے ترک میں روحانیت کے نشو و ارتقاء کا راز مضمر سمجھتی تھی - جو کچھ ان کی ملک میں ہوتا وہ سب ایک جگہ مشترک طور پر اپنے امیر کی تحویل میں رکھ دیتے - امیر ہی انکی

---

[1] نکاح کے مسئلہ میں ان لوگوں کا آپس میں اختلاف تھا - ایک گروہ شادی کے حق میں تھا اور وہ شادی کرتے تھے - ان کے خیال میں جو شخص شادی نہیں کرتا وہ نسلِ انسانی اور منزلتِ انسانی کی تحقیر کرتا ہے - اور کہتے ہیں کہ اگر اسی طرح سارے آدمی شادی کرنا چھوڑ دیں تو نسلِ انسانی بلا دم منقطع ہو جائیگی (ملاحظہ ہو جوزیفس کی تاریخ)

اطاعت کا مرکز تھا۔[1]

۵۔ اُوپر لکھا جا چکا ہے۔ کہ یہ لوگ آنے والے مسیحا کے منتظر تھے۔ ان کے نزدیک یہ مامور موعود، اقوامِ عالم بن کر آنے والا تھا۔ ایچ سپنسر لیوس لکھتے ہیں:۔

"بحیرہ جلیل کے ساحل کے ارد گرد۔۔ نذرین، نیز ادائٹ اور ایسین فرقہ کے لوگ بستے تھے۔ وہ سب کے سب ایک عظیم اوتار، ایک عظیم نجات دہندہ اور مسیحا کے منتظر تھے۔ جو نہ صرف فلسطین کا بلکہ تمام دُنیا کا نجات دہندہ ہوگا۔ اور اسرائیل اور دُنیا کی دوسری قوموں کے لئے سکون اور اطمینانِ قلبی کا باعث بنے گا۔ یہ صوفیا کا گروہ اپنے صحیح صحیح اندازوں کے مطابق اِس امید میں تھے کہ یہ آنے والا موعود ان کے عظیم روحانی استادوں کا بروز ہوگا۔"

(Mystical Life of Jesus P. 70)

۶۔ اِس سلسلہ میں داخل ہونے والوں کے لئے مختلف مدارج مقرر تھے۔ سلسلۂ اخوت میں شمولیت کے ساتھ ہی ہر ایک ممبر ایک سفید رنگ کا کپڑا لباس کے طور پر اختیار کر لیتا تھا۔ ان کا یہ لباس اتنا نمایاں اور ندرت رکھتا تھا کہ عوام ان کو سفید برادران (حوارتین) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ بیعتِ سلسلہ کے وقت یہ عہد ایک امرِ لازم تھا۔

"مَیں اقرار کرتا ہوں کہ مَیں تمام چیزوں سے بڑھ کر خدا سے محبت کروں گا۔ دل کو گناہوں کی آلائشوں سے پاک رکھوں گا تمام نوعِ انسان سے انصاف اور ایمانداری سے برتاؤ کروں گا۔ کسی نفسانی جوش یا کسی دوسرے کی تحریک سے کسی انسان کو ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ اور حق اور راستی کیلئے ہمیشہ جرأت سے کام لوں گا۔ اور ہمیشہ دنیاوی بادشاہوں کی اطاعت کروں گا۔ کیونکہ کسی کو حکومت خدا کے حکم کے سوا نہیں ملتی۔ اور اگر میں بادشاہ ہو جاؤں گا تو اپنی طاقت کو غلط رنگ میں استعمال نہیں کروں گا۔ بلکہ اپنی نیک چلنی، کفایت شعاری اور سادگیٔ لباس کا رعیت کو نمونہ بن کر دکھاؤں گا۔ اور کسی وجہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ مَیں یہ اقرار کرتا ہوں کہ قوانینِ سلسلہ کی اس تعبیر کے برخلاف جو مَیں نے اپنے مقدس بزرگانِ سلسلہ سے سُنی اور سیکھی ہے کوئی اور تعبیر کہیں کسی کے پاس بیان نہیں کروں گا اور ہمیشہ پوری امانت داری اور احتیاط سے کتب اور دفاترِ سلسلہ کو محفوظ اور مخفی رکھوں گا۔ اور ان تمام ملائکہ کے اسماء کسی پر افشاء نہیں کروں گا جن سے بزرگ کلام کرتے ہیں۔"[2]

یہ عہد ہے جو ایسینی سلسلہ میں داخل ہونے والوں کو کرنا پڑتا تھا۔ جو شخص اِس عہد کے توڑنے کا مرتکب ہوتا

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "معارف القرآن" جلد سوم صفحہ ۲۵ تا ۲۷۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب The Crucifixion (by An eye witness) میں شامل "ایسینی آرڈر"۔

سے سلسلہ سے خارج کر دیا جاتا تھا۔

۷۔ ایسینی برادران کا طریق یہ تھا کہ بچوں کو ان کے والدین سے اپنے سلسلہ کی تحویل اور سرپرستی میں لے لیتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت اپنے نیک اصولوں کے مطابق کرتے۔ بالغ ہونے پر یہ اختیار دے دیا جاتا کہ چاہے وہ لڑکا اس سلسلہ میں داخل ہو کر مختلف درجات میں ترقی کے مدارج پر گامزن ہو جائے۔ یا وہ فارغ ہو کر دنیا کی طرف رُخ کر لے۔ دینی روح رکھنے والے والدین اپنے بچوں کو ان لوگوں کے سپرد کر دیتے۔ تحویل میں لینے کے بعد اپنے سلسلہ کے سیانے ان بچوں کے مربی مقرر کر دیئے جاتے جن کے ذمہ بلوغت تک اس بچے کی سرپرستی اور تعلیم کا کام ہوتا[1]۔ جوزیفس لکھتا ہے:۔

"ایسینی برادران دوسرے لوگوں کے بچوں کو متبنیٰ بنا لیتے ہیں اور تبنیت کے لئے چھوٹی عمر کے بچوں کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ان میں سمجھنے اور سیکھنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ ایسے بچوں سے بڑی محبت کرتے ہیں اور انکو ہر قسم کے علوم اور اخلاق اور دینی باتیں بڑی شفقت سے سکھاتے ہیں۔"

۸۔ ایسینی برادران کو تصوف کی علمی اور عملی صورتوں میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ جوزیفس لکھتا ہے:۔

"ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ روح کے غیر فانی ہونے کے مسئلہ سے نوع انسان کو یہ فائدہ ہے کہ انہیں پاکیزہ زندگی بسر کرنے اور بدیوں سے بچنے کی جرأت ہوتی ہے۔ یہ لوگ ابتدائے زندگی سے ہی تصوف اور معرفت الٰہی اور صحائف انبیاء کے مطالعہ میں لگے رہتے ہیں اور عقل اور طہارت قلب میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اور اکثر صاحب کشف اور کرامت ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اسرار الٰہیہ سے ان کو خبر دی جاتی ہے۔ یہ لوگ پیشگوئیاں بھی کرتے ہیں جو اکثر صحیح نکلتی ہیں۔"

۹۔ ان تفاصیل سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ اخوتِ ایسین میں اعتقادی اور عملی خرابیاں موجود نہیں تھیں۔ ان کے ایک حصہ میں یقیناً موجود تھیں۔ یہ لوگ بدھ اور یونانی فلسفہ سے متاثر تھے۔ بعض لوگ مکمل رہبانیت کے حامی تھے۔ شادی کے خلاف تھے۔ بہت سی کھانے پینے کی چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں۔ پولوس رسول کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس نے کلسیوں کے خط اور تمطاؤس کے خط میں ایسینی بداعتقادیوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ ان خطوط سے ظاہر ہے۔ کہ یہ لوگ بیاہ کرنے سے منع کرتے ہیں اور ان کھانوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیتے ہیں جنہیں خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ ایماندار انہیں شکرگزاری کے ساتھ کھائیں[2] (تمطاؤس ۱ باب ۴ آیت ۳) مثلاً گوشت خورکہ

---

[1] امریکن انسائیکلوپیڈیا زیر لفظ "ایسین"۔

[2] قرآن مجید میں حضرت مسیح ناصری کے متعلق جو یہ آتا ہے۔ کہ آپ نے یہ بتایا کہ کون کون سی چیزیں کھائی جائیں اور کونسی ذخیرہ کی جائیں۔ یہ تعلیم ان لوگوں کے اس اعتقاد کی وجہ سے بھی دی گئی۔ کیونکہ ان میں بعض لوگ حلال چیزوں

سے مکمل پرہیز تھا (رومیوں ۱۴/۲۱) یہ لوگ جسمانی
ریاضت پر غلو کی حد تک زور دیتے ہیں۔ کہ اسے
نہ چھونا۔ اسے نہ چکھنا۔ اسے ہاتھ نہ لگانا۔ ان
پابندیوں میں کچھ فائدے تو ہیں مگر نفسانی خواہشیں
ان سے رک نہیں سکتیں۔ بعض لوگ فرشتوں کی
عبادت تک پہنچ گئے۔ انسان کو فریب دینے والی
فلسفیانہ باتوں پر زور دیا جانے لگا۔ (کلسیوں
۲ باب)

نصرانی یا ایسینی

شروع میں ذکر ہو چکا ہے کہ عوام الناس میں ایسینی
فرقہ کے لوگ نصرانی بھی کہلاتے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام
اور ان کے ماننے والے ناصری (یا نصاری) کیوں کہلائے؟
یہ ایک دلچسپ بحث ہے جو کہ عیسائی علماء کے ہاں ہمیں
ملتی ہے۔ عام خیال تو یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام
نے چونکہ ناصرہ بستی میں پرورش پائی اسلئے وہ ناصری
کہلائے اور ان کے ماننے والے بھی اسی نام سے موسوم
ہوئے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ناصرہ بستی کی وجہ سے
ناصری نہیں کہلائے۔ بلکہ اس زمانہ میں ایسینی فرقہ کے
لوگ اور حضرت یوحنا نبی کے ماننے والے نصرانی
(Nazarene) کہلاتے تھے۔ یہی لوگ حضرت
مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے۔ جس کے باعث آپ
ناصری کہلائے۔ قرآن مجید میں یہ وضاحت موجود ہے
کہ بنی اسرائیل کا ایک طائفہ حضرت مسیح پر ایمان لایا
تھا۔ قرآن مجید میں آپ کے ماننے والوں کو نصاریٰ
کے نام سے موسوم کیا گیا اور آپ کے خاص صحابہ کو
انصار اللہ اور حواری کہا گیا ہے۔ قرآنی بیان سے
معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا قدیم نام نصاریٰ ہے
قرون اولیٰ کی تاریخ بھی اس کی تائید میں ہے۔ یہ ایک
ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جب تک عیسائیت یہودیوں تک
محدود رہی اس کے پیروکاروں کا نام نزارین یعنی نصرانی
رہا۔ اعمال الرسل میں ہے۔ کہ یہودی انہیں "ناصریوں کا
بدعتی فرقہ" کہتے تھے۔ (۲۴/۵)

ظاہر ہے کہ شروع میں عیسائی ناصری یا نصاریٰ
کہلاتے تھے۔ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت
مسیح ناصریؑ کے خاص صحابہ انصار کہلاتے تھے۔ جوزیفس
کی تاریخ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے مختلف حالات
درج ہیں۔ اس باب میں جا بجا آپ کے صحابہ کو "مددگار"
کے نام سے پکارا گیا ہے[1]۔ اس باب کے متعلق عام طور
پر مسلم ہے کہ یہ بعد میں شامل کیا گیا۔ جوزیفس کا لکھا ہوا
نہیں۔ ابتدائی صدیوں میں عیسائیوں کی طرف سے جوزیفس
یہودی مؤرخ کی تاریخ پر اضافہ کر دیا گیا۔ اگر یہ باب
قرون اولیٰ کے عیسائیوں کا لکھا ہوا ہے تو اس امر پر
مزید روشنی پڑتی ہے کہ ابتدائی عیسائیوں میں حضرت
مسیح ناصریؑ کے صحابہ کا نام انصار تھا۔

تیسرا نام قرآن مجید نے حواری بتایا ہے۔ حواری
کے معنی عبرانی کی رو سے صاف و سفید لوگوں کے ہیں۔
حضرت مسیح ناصریؑ کے ماننے والے چونکہ زیادہ تر ایسینی
فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس فرقہ کے لوگ عوام الناس
میں "سفید برادران طریقت" کے نام سے بھی مشہور تھے۔
سفید لباس ان کا خاص نشان تھا۔ سفید لباس اور

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہگ رشون فیلڈ کی کتاب
According to the Hebrews
P. 166, 167

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔
"The Mystical Life of Jesus" صفحہ ۱۹۱ تا صفحہ ۲۰۲

پاکیزگیٔ نفس کی وجہ سے ان کو "حواری" یعنی سفید لوگ کہا گیا ہے۔ اس وضاحت سے ظاہر ہے کہ تاریخی شواہد قرآنی بیان کی تائید میں ہیں۔

قرآن مجید سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ نصاریٰ نام اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد و نصرت کی وجہ سے تھا، نہ کہ صرف ناصرہ بستی کی وجہ سے۔ آیت میثاق النبیین سے ظاہر کہ نبیوں نے اپنی امتوں سے آنے والے موعود کے حق میں ایمان و نصرت کا عہد لیا۔ نصاریٰ نام اسی عہد کی یاد دلاتا ہے۔ لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (۳ : ۸۰)

اب عام طور پر عیسائی محققین اس نظریہ کے حامی نظر آتے ہیں۔ کہ ناصرہ بستی کی وجہ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام ناصری نہیں کہلاتے تھے۔ بلکہ ناصری یہودیوں کا ایک قدیم فرقہ ہے۔ اس فرقہ کے لوگ بکثرت آپ کے پیرو تھے۔ اس لئے آپ ناصری کہلائے۔ انجیل متی میں جو حضرت مسیح علیہ السلام کو ناصرہ بستی کی وجہ سے ناصری کہا گیا ہے۔ اس کے متعلق ثابت ہو چکا ہے۔ کہ یہ ترجمہ کی غلطی ہے۔ "نصر" کے معنی شاخ کے بھی ہیں۔ متی کی آرامی انجیل جب یونانی میں منتقل ہوئی تو "نصر" کو نصری لکھ دیا گیا۔ متی دراصل یسعیاہ نبی کی بشارت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ نصر یعنی شاخ کہلائے گا۔[۵]

آرتھر للی نے تاریخی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح ناصری چونکہ ایک ایسینی تھے اس لئے آپ ناصری کہلاتے تھے۔ اس کے ثبوت میں عیسائی بزرگ "ایپی فے نی ئس" (المتوفی ۴۰۳ عیسوی) کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ ناصری دراصل ایسین فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا نام تھا۔ یوحنا نبی کے پیروکار بھی ناصری کہلاتے تھے۔

آرتھر للی نے یوحنا نبی کے پیروکاروں کی مقدس کتاب "صحیفہ آدم" کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہودیوں کا ناصری فرقہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت موجود تھا۔ یوحنا نبی کے پیروکار اسی فرقہ کے لوگ تھے۔ بعد میں یہی لوگ حضرت مسیح ناصری پر ایمان لائے۔ اس لئے آپ اور آپ کے ماننے والے ناصری کہلاتے تھے۔

"صحیفہ آدم" میں لکھا ہے:-

"ہتھیار سنبھالو۔ لیکن فولاد کے نہیں
بلکہ نہایت قیمتی دھات کے بنے ہوئے،
ایمان، انصاف اور صدق و صفا کے
ہتھیار۔ یہ ہتھیار نصرانیوں کے پاس
نہیں[۶]"

ظاہر ہے کہ یوحنا نبی کے پیروکار نصاریٰ کہلاتے تھے۔ یوحنا نبی حضرت مسیح کے لئے راستہ صاف کرنے والے تھے۔ یوحنا نبی کے پیروکاروں نے حضرت مسیح ناصری کو قبول کیا۔ اسلئے وہ بھی ناصری کہلائے۔

---

[۵] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو چارلس کٹلر ٹوری کی کتاب "دی فور گاسپل" متی ۲/۲۳ پر نوٹ بر صفحہ ۲۹۔
اسی طرح متی ۲/۲۳ پر پیکس تفسیر بائیبل میں جو نوٹ دیا گیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

[۶] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آرتھر للی کی کتاب
Buddhism in Christendom
or
Jesus the Essene
P. 101 to 106

آرتھر لِلی کے بعد بُرکِٹ (Burkitt) نے ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام ناصرہ بستی کی وجہ سے ناصری نہیں کہلائے۔ بلکہ اِس نام کا فرقہ یہودیوں میں پہلے سے موجود تھا۔[1]

اِسی طرح سپنسر لیوس نے اپنی کتاب "Mystical Life of Jesus" میں بڑی وضاحت سے ثابت کیا ہے۔ کہ ایسینی فرقہ کا دوسرا نام ناصری تھا۔ انجیل میں جہاں ذکر ہے کہ مسیح ناصرہ گیا وہ ترجمہ کی غلطی ہے۔ دراصل لکھا ہوا یہ تھا۔ کہ مسیح ناصریوں کے پاس گیا۔ آپ ناصرہ بستی کی وجہ سے نہیں بلکہ ناصریوں کے مسیحا ہونے کی وجہ سے اِس نام سے موسوم ہوئے۔[2]

میری تحقیق میں حضرت مسیح علیہ السلام ہر دو لحاظ سے ناصری تھے۔ سب سے بڑھ کر اس لحاظ سے کہ آپ اُس یہودیوں کے فرقہ سے تعلق رکھتے تھے جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد و نصرت کا عہد اٹھایا تھا۔ یہ ناصری فرقہ کے لوگ تھے جو کہ ایسین بھی کہلاتے۔ یہی لوگ اوّل المومنین تھے۔ بنی اسرائیل کا یہی وہ طائفہ ہے جسے قرآن مجید نے ایمان لانے والا طائفہ قرار دیا ہے۔ اور اِس لحاظ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت کے تحت آپ کو ناصرہ بستی سے مبعوث کیا آپ ناصری کہلائے +

آپ کے ذمّہ

الفرقان کا جو چندہ واجب الادا ہے وہ جلد ارسال فرما دیں

(مینیجر الفرقان ربوہ)

---

[1] پیکس تفسیر بائیبل، اعمال ۲۲/۸ پر نوٹ۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۷۶۹ +

[2] کتاب مذکور صفحہ ۱۹ تا صفحہ ۲۱ +

جناب چودھری احمد الدین صاحب مرحوم کے حالاتِ زندگی کیلئے تحریک

محترم انور اقبال صاحب کراچی سے رقمطراز ہیں:۔

"قبلہ مولانا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ماہ رواں کا الفرقان آج موصول ہوا۔ حضرت چودھری احمد الدین صاحب وکیل گجرات کی وفات کی خبر پڑھ کر انتہائی ملال ہوا۔ خاکسار 'الفرقان' کا مستقل قاری ہے اور الفرقان کی وساطت سے ہی چودھری احمد الدین صاحب کی شخصیت سے متعارف ہوا ہے۔

مرحوم کے مضامین نے مجھے بہت متاثر کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان کے مضامین سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ یہ سوچ کر دل کو بہت دکھ ہوتا ہے کہ صحابہ حضرت مسیح موعودؑ ایک ایک کر کے ہم سے رخصت ہو رہے ہیں اور نئی پود کے بارے میں صرف یہی کہنا کافی ہے کہ خدا ان کا حامی و ناصر ہو اور وہ ہر حال میں انکی حفاظت فرمائے۔

الفرقان کے قارئین آپ کے نہایت ممنون ہونگے اگر آپ مرحوم کے حالاتِ زندگی اور انکے مضامین پر ایک مفصل تنقیدی مضمون شائع فرمائیں۔ والسلام۔

نیازکیش
انور اقبال"

الفرقان۔ جناب چودھری احمد الدین صاحب مرحوم کے فرزند چودھری بشیر احمد صاحب وکیل گجرات جلد اس طرف توجہ فرمائیں اور چودھری صاحب موصوف کے حالاتِ زندگی لکھ کر الفرقان میں اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں +

قرآنِ مجید اور بائبل

عیسائی صاحبان کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

(مکرم گیانی واحد حسین صاحب)

(۱)

میرے مسیحی دوست ماسٹر برکت۔ اے خان صاحب سیالکوٹ چھاؤنی بار بار کہتے ہیں کہ قرآن مجید بائبل سے سرقہ کیا ہوا ہے۔ آپ کا ایسا دعویٰ اپنے اندر صداقت نہیں رکھتا۔ آغازِ عالم میں جب اس کرۂ ارض پر انسان کی تمدنی زندگی شروع ہوئی تو تمام بنی نوع انسان کا ایک ہی مذہب تھا اور سب لوگ ایک ہی اُمّت تھے۔ اور آج تک حقیقت کے لحاظ سے مذہب ایک ہی رہا ہے۔ اور ایک ہی ہے۔ صرف مختلف زمانوں کے لحاظ سے ان کی ظاہری شکل وصورت میں اختلاف نظر آتا ہے ورنہ وہ حقیقت جو مذہب کی اصل رُوح ہے ہمیشہ ایک ہی رہی ہے۔ جس طرح صاف اور شفاف پانی مختلف شکل وصورت کے برتنوں میں مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر لیتا ہے اسی طرح مذہبی حقیقت مختلف زمانوں، مختلف قوموں اور مختلف ملکوں میں علیحدہ علیحدہ شکل وصورت میں جلوہ گر ہوتی رہی ہے۔ جو پیغام بنی اسرائیل کے انبیاء سرزمینِ کنعان میں لوگوں کو سُناتے رہے حقیقت میں وہ وہی تھا جو ہندوستان کے اوتار اہلِ ہند کو سُناتے رہے۔ ایران کا پیغمبر زردشت اُسی مذہبی حقیقت کا حامل تھا جو چین کے پیغمبر کنفیوشس کے ذریعہ ظہور پذیر ہوئی۔ الغرض تمام وہ پیغمبر یا اوتار جو مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں حق وصداقت کی شمع روشن کرتے رہے ایک ہی نور کے تقسیم کنندہ تھے۔ جُدا جُدا ملکوں اور جُدا جُدا قوموں میں الگ الگ پیغمبر یا اوتار بھیجنے کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک وسائلِ آمد ورفت کی وسعت کی وجہ سے دُنیا کے لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کر دینے کی بنیاد نہ پڑ گئی۔ جب دُنیا نے ایک ملک کی صورت اختیار کرنا شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اوتاروں اور پیغمبروں کے مطابق اُن بزرگوں کی صداقت کو تازہ کرنے کے لئے حضرت نبی کریم صلعم کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ نے آکر تمام انبیاء کی صداقت کی تائید کی اور فرمایا "اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ" دنیا میں کوئی انسانوں کا گروہ ایسا نہیں گذرا جس میں اُن کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی برگزیدہ انسان نہ بھیجا گیا ہو۔ اسی طرح آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا۔ کہ مَیں کوئی نیا پیغام لے کر نہیں آیا۔ بلکہ حقیقت کے اعتبار سے یہ وہی پیغام ہے جو مجھ سے پہلے میرے دوسرے بھائی مختلف قوموں کو مختلف زمانوں میں سُناتے رہے ہیں۔ اب اُسی پیغام کی تجدید تمام دُنیا کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ کرنے کا انتظام فرمایا ہے۔ آپ کا ظہور تمام نبیوں اور اوتاروں کی سچائی کا

ظہور تھا۔

یہ ایک ایسا سنہری اصول اسلام نے بیان کیا ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ پادری جے۔ علی بخش صاحب نے اپنی کتاب (پیشگوئیاں مسیح کے بارہ میں) میں اس کو ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:۔

"مخفی نہ رہے کہ کتاب مقدس نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ عبرانی نبوت ہی اصل نبوت ہے۔ مثلاً ملک صدق میترو اور بلعام غیر اقوام یعنی غیر عبرانی نبی تھے۔ (پیدائش ۱۴/۱۸۔ خروج ۱۸ اور گنتی ب۲۳ و ب۲۴) یہ ماننا مسیحیوں کے لئے ضروری نہیں کہ خدا نے اسرائیل کے سوا باقی سب قوموں کو بلا ہدایت چھوڑ دیا بلکہ تواریخ پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ خدا نے غیر اقوام پر بھی نبیوں کو برپا کیا۔" (صـ۱۷)

اس کے علاوہ ڈاکٹر جے پیٹرس سمائتھ صاحب ڈی۔ ڈی لکھتے ہیں:۔

"مجھے یہ سنکر افسوس ہوگا اگر کوئی کہے کہ مسیحی دین اپنے پیرووں سے اس قسم کے یقین کا خواہاں ہے کہ سارے عالم کے خدا اور باپ نے ساری غیر مسیحی دنیا کو اپنی طرف سے کسی قسم کی روشنی دیئے بغیر اکیلا چھوڑ دیا۔" (بائیبل کا الہام صـ۲۱)

اسی طرح پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں:۔

"اور کہ دنیا کی کسی اُمت کو اُس نے ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا۔ پس کوئی مذہب ایسا نہیں جو بالکل تاریکی اور بطالت ہو۔" (نور الہدیٰ حصہ اوّل صـ۱۸)

اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید گزشتہ صداقتوں کا مصدق ہے۔ وہ اُن تمام سچائیوں کو جو کسی نہ کسی رنگ میں الگ الگ اور منتشر حالت میں نظر آتی ہیں مجموعی طور پر یکجائی شکل میں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے [فِیْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ] یعنی قرآن میں پختہ کتب ہیں (سورۃ البینۃ رکوع ۱) گویا خدا تعالیٰ نے دائمی صداقتوں کو جو بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند تھیں۔ ان کو ایک خوبصورت مالا کی صورت میں پرو دیا۔ یہ سب کچھ وحی الٰہی کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ پادری صاحبان کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ ملہم قرآن نے اپنے اندر گزشتہ مشرک اقوام اور یہودیوں کی غلط روایات کے علاوہ مسیحیوں کے بدعتی فرقوں کے غیر مستند قصوں کو جمع کیا ہے۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں پادری ڈبلیو سینٹ کلر ٹزڈل صاحب نے ایک کتاب جس کا نام "ینابیع الاسلام" ہے تصنیف کی ہوئی ہے۔ کتاب مذکور کا تمام تر مواد قرآن مجید کی غلط تفسیر اور بعض غلط روایات پر مبنی ہے۔ جب پادری صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ اسرائیل کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی صداقتیں ہیں اور غیر اقوام میں بھی نبی مبعوث ہوتے رہے تو ان کی تعلیم میں مطابقت کا پایا جانا ایک لازمی بات ہے۔ ملتی جلتی تعلیم سے دھوکہ کھانا یا دوسروں کو دھوکہ میں ڈالنا سراسر غلطی ہے۔ ماسٹر برکت۔ اسے خاں صاحب بھی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ یہی اعتراض موسیٰ ؑ کے قوانین اور احکام وغیرہ کی بابت معترضین نے کئے ہیں۔ ان کے جواب میں پادری ولیم جی بلیکی صاحب ڈی۔ ڈی تحریر کرتے ہیں:۔

"کبھی کبھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ موسیٰ کا مذہبی انتظام نیا نہ تھا بلکہ بہت حد تک مصر کے دستوروں کی نقل تھا۔ لیکن واضح ہو کہ یہ خیال ہرگز تسلیم کرنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ سچی اور

نیچرل تھیالوجی (قدرتی علم الٰہیات)
کی جو جو باتیں مصر کے مذہب میں پائی جاتی
تھیں اُن کا موسیٰ کے دستوروں اور ضابطوں
میں نمودار ہونا موزوں نہ تھا بلکہ ایک
ضروری امر تھا۔" (تواریخ بائیبل صفحہ ۱۵)

پس قرآن مجید کے متعلق اعتراضات کرنے والوں کو ہماری طرف سے اصولی جواب یہی ہے جو ایک سمجھدار کے لئے کافی ہے کہ سچی اور صحیح نیچرل تھیالوجی (قدرتی علم الٰہیات) کی جو باتیں موسیٰؑ کے مذہب اور دیگر اقوام میں پائی جاتی ہیں ان کا اسلام کے دستوروں اور ضابطوں میں نمودار ہونا موزوں ہی نہ تھا بلکہ ایک ضروری امر تھا۔ اور یہ بات بھی درست نہیں کہ کسی نبی نے کسی سابقہ کتب سے کچھ باتیں نقل کی ہیں بلکہ ہر ایک ملہم نے وہی کچھ بتایا جو اُسے خدا تعالیٰ نے دیا۔ حضرت کرشن نے وہی کچھ بتایا جو انہیں عطا ہوا۔ حضرت موسیٰؑ اور دیگر انبیاء نے وہی کچھ بیان کیا جو انہیں بارگاہِ الٰہی سے ملا۔ تمام صداقتیں چونکہ ایک ہی سرچشمہ سے بہتی ہوئی دھاریں ہیں اسلئے ان کی آپس میں مطابقت ایک لازمی اور ضروری بات ہے۔ تقدم یا تاخر کی وجہ سے ان کو ایک دوسرے سے سرقہ کیا ہوا بتانا نادانی ہے ہاں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے تعلیم و احکام میں کمی بیشی ایک الگ بات ہے اور کسی ایک واقعہ کے بیان میں اختلاف اور تضاد بعد کی ملاوٹ اور انسانی دست بُرد کا نتیجہ ہے۔

معترض کو چاہیئے کہ اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گھر پر نگاہ ڈالے اور دیکھے کہ اس اعتراض کی زد میر عقائد اور مذہب پر تو نہیں پڑتی۔ اور اگر وہی اعتراض اس پر پڑتا ہو تو اس سے گریز کرے۔ مثال کے طور پر پادری ڈبلیو۔ سینٹ ٹِزڈل صاحب کا ایک اعتراض درج کرتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ "اللہ" قبل از اسلام عرب کے درمیان رائج تھا (ینابیع الاسلام صفحہ ۲۲) اور اہلِ عرب میں وحدانیتِ الٰہی کا عقیدہ کسی زمانے میں فراموش نہیں ہونے پایا تھا (صفحہ ۲۳) پادری صاحب کا یہ اعتراض اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ اعتراض تب ہوتا اگر قرآن مجید یہ دعویٰ کرتا کہ مجھ سے قبل "اللہ" کا نام نہیں پایا جاتا یا وحدانیتِ الٰہی کی تعلیم کا بانی مبانی میں ہوں۔ قرآن مجید فرماتا ہے
اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ (بقرہ - ۱) اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اُتارا گیا تیری طرف اور جو اُتارا گیا تجھ سے پہلے۔ بوجہ اختصار صرف اسی آیت پر اکتفاء کرتا ہوں۔

قابلِ اعتراض بات بائیبل شریف کی ہے۔ خدا کہتا ہے کہ میں ابراہام اور اضحاق اور یعقوب پر یہوواہ کے نام سے ظاہر نہیں ہوا (خروج ۶/۳) حالانکہ خدا اس سے قبل یہوواہ کے نام سے ابراہیم پر ظاہر ہوا (پیدائش ۲۲/۱۴) بلکہ حضرت ابراہیمؑ سے سینکڑوں برس پہلے حضرت شیثؑ کے وقت لوگ یہوواہ کا نام لینے لگے۔ (پیدائش ۴/۲۶) پنڈت لیکھرام اپنی کتاب "حجت الاسلام" میں پادری عبداللہ آتھم کی کتاب "ماہیتِ رگوید" صفحہ ۱ کا حوالہ نقل کرتا ہے کہ یہوواہ جو توریت میں خدا کا اسمِ ذات ہے وہ رگوید میں بھی موجود ہے (کلیاتِ آریہ مسافر صفحہ ۱۲۳)

ماسٹر صاحب غور فرمائیں کہ اسلام پر اعتراض کرنا سراسر بائیبل کو جھٹلانا ہے یا نہیں۔ حضرت مسیح نے کیا خوب کہا:-

"اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اُس
سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔ تو
کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا

ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا۔"

(متی $\frac{۷}{۱-۴}$)

اگر توحید کا عقیدہ اسلام سے پہلے موجود ہونے کی وجہ سے سرقہ کیا ہوا ہے تو یہی عقیدہ عرب کے بُت پرستوں سے قبل مسیحیت میں موجود تھا گو وہ اس کے ساتھ تثلیث کا عقیدہ بھی رکھتے تھے "جس طرح عرب کے بُت پرست وحدانیت الٰہی کے ساتھ بہت سے معبود بھی رکھتے تھے" (ینابیع الاسلام صفحہ ۲۳) لیکن پھر بھی وہ تعلیم جو حضرت مسیح سے منسوب ہے اس میں لکھا ہے "ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو جانیں" (یوحنا $\frac{۱۷}{۳}$) حضرت مسیح سے ۳۹۷ سال پہلے ملاکی نبی توحید الٰہی بیان کرتا ہے (ملاکی $\frac{۲}{۱۰}$) ملاکی سے قبل ۷۱۲ قبل مسیح یسعیاہ نبی توحید کا ذکر کرتا ہے (یسعیاہ $\frac{۴۵}{۵}$) یسعیاہ سے پیشتر ۱۰۴۲ قبل مسیح سموایل کی کتاب میں اسی توحید کا بیان ہے۔ (۲ سموایل $\frac{۷}{۲۲}$) اس سے پہلے ۱۴۹۱ قبل مسیح موسیٰؑ نے توحید الٰہی کی تعلیم دی (استثناء $\frac{۶}{۴}$) موسیٰؑ سے پہلے مصریوں میں واحد خدا کا عقیدہ موجود تھا (تواریخ بائیبل صفحہ ۱۱) پادری غلام مسیح صاحب ایڈیٹر اخبار نور افشاں لکھتے ہیں:-

"ڈاکٹر پیچ کہتا ہے کہ شاہان مصر واحد خدا کے پرستار تھے۔ مصر کے چوپان بادشاہ واحد خدا کے ماننے والے تھے۔"

(کوائف العرب صفحہ ۵۳)

پس اگر بقول معترض یہ مان لیا جائے کہ قرآن مجید نے توحید کی تعلیم اپنے سے پہلے لوگوں سے حاصل کی ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح نے ملاکی نبی کی نقل کی ہے۔ اور اس نے اپنے سے پہلے نبی کی۔ اسی طرح یہ سلسلہ مصریوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح اسرائیل کی توحید کا منبع مصری ٹھہرے۔ اور بائیبل کے الہامی ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ اس کے علاوہ بائیبل میں بہت سے نبیوں کے کلام میں مطابقت کا سلسلہ پایا جاتا ہے۔ بطور نمونہ چند ایک آیات درج ذیل ہیں۔

(۱) خداوند کا شکر کرو اس کا نام لو۔ لوگوں کے درمیان اس کے کاموں کا بیان کرو۔ (زبور $\frac{۱۰۵}{۱}$)[1]	خداوند کی ستائش کرو۔ اس کا نام لو لوگوں کے درمیان اس کی تقدیس بیان کرو۔" (یسعیاہ $\frac{۱۲}{۴}$)
(۲) خداوند رحیم و کریم ہے وہ قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے۔ (زبور $\frac{۱۴۵}{۸}$)	خداوند خدا رحیم اور مہربان قہر کرنے میں دھیما اور شفقت وفا میں غنی ہے۔ (خروج $\frac{۳۴}{۶}$)
(۳) آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ پہاڑوں کی چوٹی پر قائم کیا جائے گا اور ٹیلوں سے اونچا کیا جائے گا اور ساری قومیں اسکی طرف روانہ ہوں گی۔ (یسعیاہ $\frac{۲}{۲}$)	لیکن آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ پہاڑوں کی چوٹی پر نصب کیا جائے گا۔ اور سارے ٹیلوں سے اونچا کیا جائے گا اور اُمتیں اس کی طرف روانہ ہوں گی۔ (میکاہ $\frac{۴}{۱}$)
(۴) صیہون کھیت کی طرح جوتا جائے گا۔ اور یروشلم ڈھیر ڈھیر ہوگا	اس لئے صیہون تمہارے ہی سبب کھیت کی طرح جوتا جائیگا اور یروشلم

[1] پادری جے۔ علی بخش صاحب لکھتے ہیں۔ کہ زبور کی یہ آیت لفظ بہ لفظ یسعیاہ سے لی گئی ہے۔

(تفسیر زبور صفحہ ۴۲۰)

اور اس گھر کا پہاڑ جنگل کی اونچی جگہوں کی مانند ہوگا۔ (یرمیاہ ۲۶/۱۸)

تودہ تودہ بن جائے گا۔ اور ہیکل کا پہاڑ جنگل کے اونچے مکانوں کی طرح ہو جائیگا۔ (میکاہ ۳/۱۲)

(۵) زبور ۹۶/۱-۱۳ مقابلہ کرو ا تواریخ ۱۶/۲۳-۳۳

(۶) یسعیاہ ۳۷/۲۰ مقابلہ کرو ۲ سلاطین ۱۹/۲۷

(۷) یسعیاہ ۳۷/۳۹ مقابلہ کرو ۲ سلاطین ۱۹/۲۵

(۸) یسعیاہ باب ۱۵ و ۱۶ مقابلہ کرو ۲ سلاطین باب ۲۴

(۹) یرمیاہ باب ۵۲ مقابلہ کرو ۲ سلاطین باب ۲۵

(۱۰) زبور ۱۰۵/۱-۱۵ مقابلہ کرو ا تواریخ ۱۶/۸-۲۲

(۱۱) زبور ۱۱۵/۴-۹ مقابلہ کرو زبور ۱۳۶/۳ مقابلہ کرو یرمیاہ ۱۰/۵ سب کا نفس مضمون ایک ہی ہے۔

طوالت کی وجہ سے ان حوالجات پر ہی ختم کرتا ہوں جس سے ظاہر ہے کہ ایک نبی کا کلام دوسرے نبی کے کلام کے ساتھ لفظ بلفظ مشابہت رکھتا ہے۔ اگر پادری صاحب کے اصول کو مانا جائے تو یہ لوگ ایک دوسرے کی نقل کرنے والے ٹھہریں گے اور الہام کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔

اگر نعوذ باللہ قرآن مجید بائیبل سے کوئی قصہ لیتا تو وہ بائیبل کے مطابق ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ بائیبل نبیوں کے واقعات کو غلط طور پر بیان کر کے انہیں گنہگار ثابت کرتی ہے لیکن قرآنِ پاک میں خدا تعالیٰ اصل اور ملاوٹ کو الگ کر دیتا ہے تاکہ نبیوں کی پاکبازی ظاہر ہو۔ موجودہ بائیبل محرّف و مبدل ہونے کی وجہ سے اصل اور صحیح واقعات بیان کرنے سے قاصر ہے۔ بائیبل کا مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں کس قدر انسانی دست برد سے کام لیا گیا ہے کہ نبی معاذ اللہ جھوٹ بولتے تھے (ا سلاطین ۱۳/۱۸) اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر جھوٹی بات خدا کی طرف منسوب کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ (۲۔ تواریخ ۱۸/۱۳-۱۴) خدا نے ایک بار فرمایا اور میں نے دو بار سُنا (زبور ۶۲/۱۱) خدا نے حضرت جاد کو کہا کہ سات برس قحط پڑے (۲ سموایل ۲۴/۱۱-۱۳) لیکن نبی نے سات سال کی بجائے تین سال کا پیغام دیا (ا۔ تواریخ ۲۱/۱۱) ایسی صورت میں بائیبلی نبیوں کا کلام قابلِ اعتبار نہیں ٹھہرتا۔

پادری صاحبان کہتے ہیں کہ قرآن شریف نے بائیبل کی عبارتوں کو بگاڑ کر لکھا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کی غلط تفاسیر سے اخذ کیا ہے سُنی ہوئی باتوں میں اختلاف بڑھ جانا ایک معمولی بات ہے لیکن ان کا یہ عذر بھی محض غلط ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس وقت کے معترض ضرور ایسا اعتراض کرتے۔ یہ تو بھلا بقول اُن کے سُنی سُنائی باتوں کی وجہ سے اختلاف ہے لیکن بائیبل جو آپ کے نزدیک خدائی الہام ہے اس میں اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ ایک جگہ خدا کا الہام کچھ بیان کرتا ہے تو دوسری جگہ کچھ اور ہی بیان کر دیتا ہے۔ کیا یہ حافظہ کی کمزوری یا نسیان ہے یا دروغ گورا حافظہ نباشد کی وجہ سے ہے۔

بنی اسرائیل کے لئے دس آفتوں کے نازل ہونے کا ذکر کتاب خروج میں مرقوم ہے۔ پہلی آفت خروج ۱۰/۲۱-۲۲ میں یہ ہے کہ پانی لہو بن گیا لیکن زبور ۱۰۵/۲۹ میں اس کو دوسری آفت بتایا گیا ہے۔ خروج ۸/۹ میں مینڈک بن گئے

یہ دوسری آفت ہے لیکن زبور ۱۰۵/۳۰ میں اس کو تیسرے نمبر پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سات آفتیں بیان ہوئی ہیں۔ تین کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔

جب اسیر واپس آئے تو حساب ہوا:-

(۱) بنی ارخ سات سو پچھتر (۱) بنی ارخ چھ سو باون
(عزرا ۲/۵) (نحمیاہ ۷/۱۰)

(۲) بنی زتو نو سو پینتالیس تھے (۲) بنی زتو آٹھ سو پینتالیس تھے
(عزرا ۲/۸) (نحمیاہ ۷/۱۳)

(۳) بنی عزجاد ایک ہزار دو (۳) بنی جاد دو ہزار تین سو بائیس تھے
(عزرا ۲/۱۲) (نحمیاہ ۷/۱۷)

(۴) بنی عدین چار سو چون (۴) بنی عدین چھ سو پچپن
(عزرا ۲/۱۵) (نحمیاہ ۷/۲۰)

(۵) بنی حاشوم دو سو تئیس (۵) بنی حاشوم تین سو اٹھائیس
(عزرا ۲/۱۹) (نحمیاہ ۷/۲۲)

(۶) بنی سنارہ تین ہزار چھ سو تیس (۶) بنی سنارہ تین ہزار نو سو تیس
(عزرا ۲/۳۵) (نحمیاہ ۷/۳۸)

(۷) دو سو گانے والے اور گانے والیاں تھیں۔ (۷) دو سو پینتالیس گانیوالے اور گانے والیاں تھیں
(عزرا ۲/۶۵) (نحمیاہ ۷/۶۷)

(۸) یوآب نے بارہ ہزار ادومیوں کو مارا۔ (۸) ابی شی نے اٹھارہ ہزار کو۔
(زبور ۶۰/۱) (تواریخ ۱۸/۱۲)

نوٹ:- زبور میں یوآب اور تواریخ میں ابی شی لکھا ہے لیکن سموایل میں یہ داؤد کے نام منسوب ہے ۲ سموایل ۸/۱۳ بارہ ہزار اور اٹھارہ ہزار میں صرف چھ ہزار کا ہی فرق ہے۔

(۹) مردم شماری میں اسرائیل گیارہ لاکھ تلوار سے یہوداہ چار لاکھ تھے (۹) اسرائیل آٹھ لاکھ یہوداہ پانچ لاکھ تھے۔
(تواریخ ۲۱/۵)

نوٹ:- لیکن ۱ سموایل ۱۱/۸ میں اسرائیل تین لاکھ یہوداہ تیس ہزار تھے بتایا ہے

(۱۰) داؤد نے بیل پچاس مثقال چاندی دے کر مول لیا۔ (۱۰) بیل چھ سو مثقال تول کر دیا۔
(۲ سموایل ۲۴/۲۴) (تواریخ ۲۱/۲۵)

(۱۱) ۱ سلاطین ۹/۲۸ چار سو قنطار سونا۔ تواریخ ۲۹/۴ تین ہزار قنطار سونا۔ ۲ تواریخ ۸/۱۸ ساڑھے چار سو کنار سونا بتایا ہے۔ ۱ سلاطین ۵/۱۶ تین ہزار تین سو کام کرنے والوں کے سردار تھے۔ ۲ تواریخ ۲/۲ تین ہزار چھ سو تھے۔ ۲ تواریخ ۲/۱۸ میں صرف تین ہزار بتاتے ہیں۔ ۱ سلاطین ۷/۲۰ دو سو انار بنائے لیکن ۲ تواریخ ۳/۱۶ میں ایک سو انار بناتے۔ ۲ تواریخ ۴/۱۳ میں چار سو انار بناتے۔ ۱ سلاطین ۹/۲۳ مقابلہ کرو ۲ تواریخ ۸/۱۰ ۱ سلاطین ۵/۱۱ مقابلہ کرو ۲ تواریخ ۲/۱۰ ۱ سلاطین ۴/۲۶ مقابلہ کرو ۲ تواریخ ۹/۲۵) ۲ سموایل ۲۳/۸ آٹھ سو پر بھالا مارا لیکن اتواریخ ۱۱/۱۱ تین سو پر بھالا مارا۔ بوجہ اختصار بہت سے حوالجات نظر انداز کرتا ہوں۔ ایسی کتاب کی سند پر قرآن مجید پر اعتراضات کرنا سوائے شرمندگی اٹھانے کے اور کوئی معنے نہیں رکھتا۔

توریت کا بیان

بائیبل کہتی ہے کہ خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ پہاڑ پر مجھ پاس آ اور وہاں رہ اور میں تجھے پتھر کی لوحیں اور شریعت اور احکام جو میں نے لکھ رکھے ہیں دوں گا۔ (خروج ۲۴/۱۲) لیکن ان میں سے صرف پتھر کی دو لوحیں ہی دیں جن پر دس احکام لکھے ہوئے تھے۔ باقی شریعت اور احکام نہیں دیئے گئے بلکہ وعدہ خلافی کی معذرت تک نہ کی۔ اور یہ بھی لکھا ہے

کہ کوہ سینا پر دیئے گئے احکام سے پہلے خدا نے مارہ میں بنی اسرائیل کے لئے ایک آئین اور شریعت بنائی ہوئی تھی۔ (خروج ۱۵/۲۵) اور اس سے قبل حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پیشتر حضرت ابراہیم کے وقت خدا تعالیٰ کے حکموں اور قانونوں اور شرعوں کو حفظ کرنے کا ذکر ملتا ہے (پیدائش ۲۶/۵) ثابت ہوا کہ موسیٰ نے اپنی شریعت کی تکمیل کے لئے گزشتہ شریعتوں سے سب کچھ اخذ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک کتاب 'خداوند کے جنگ نامہ' کا ذکر بھی توریت میں مذکور ہے (گنتی ۲۱/۱۴) اور خدا کو صاحب جنگ بتایا ہے (خروج ۱۵/۳ و ۱۴/۱۴) اسی لئے اُس کتاب کا نام خداوند کا جنگ نامہ تھا۔ معلوم ہوگیا کہ مصنف توریت کے پاس خداوند کے جنگ نامہ کی کوئی کتاب تھی جس سے وہ توریت میں اقتباس کرتا ہے۔ اور وہ حکم احکام جو موسیٰ نے بیان کئے ہیں ان کا بیشتر حصّہ اُن سے پہلے موجود تھا۔ مثلاً موسیٰ سے سینکڑوں برس پہلے ختنہ کا حکم موجود تھا (پیدائش ۱۷/۱۲) یہی حکم موسیٰ کی کتاب احبار ۱۲/۳ میں درج ہے۔ (۲) زنا کرنے والی عورت جلائی جائے (پیدائش ۳۸/۲۴) یہی حکم احبار ۲۱/۹ میں مذکور ہے۔ (۳) سبت کا دن مقدس ہے (پیدائش ۲/۳) یہی حکم کتاب خروج ۱۶/۲۵ میں درج کیا گیا ہے۔ (۴) سوختنی قربانی کا حکم ہے (پیدائش ۲۲/۲) یہی حکم موسیٰ کی کتاب احبار ۶/۸ میں موجود ہے۔ (۵) ہر ایک جانور سے بدلہ لیا جائے (پیدائش ۹/۵) یہی حکم کتاب خروج ۲۱/۲۸ میں مذکور ہے (۶) شادی کا مہر (پیدائش ۳۴/۱۲) یہی حکم خروج ۲۲/۱۸ و استثناء ۲۲/۲۹ میں درج ہے۔ (۷) خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا (پیدائش ۱۵/۱۸) یہی وعدہ موسیٰ کی کتاب خروج ۲۳/۳۱ میں ہے۔ (۸) ستون کھڑا کیا اس پر تیل ڈھالا (پیدائش ۲۸/۱۸ ۳۱/۴۵) یہی موسیٰ کی کتاب خروج ۲۴/۴ میں ہے (۹) تیرے غلام زرخرید کا ختنہ کیا جائے (پیدائش ۱۷/۱۲) یہی حکم موسیٰ کی کتاب خروج ۱۲/۴۴ میں ہے۔ (۱۰) خدا نے ساتویں دن فراغت پائی (پیدائش ۲/۲) یہی کتاب خروج ۲۰/۱۱ میں بیان ہوا ہے۔ (۱۱) لہو کھانے سے منع کیا گیا ہے (پیدائش ۹/۴) یہی احبار ۱۷/۱۰ میں ہے۔ (۱۲) خداوند نے خوشبودار کی بو سونگھی (پیدائش ۸/۲۱) یہی احبار ۱/۹ میں ہے۔ (۱۳) سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے واسطے ہیں وغیرہ (پیدائش ۹/۳) یہی حکم موسیٰ کی کتاب استثناء ۱۲/۱۵ میں ہے۔ (۱۴) جو کوئی آدمی کا لہو بہائے آدمی ہی سے اس کا لہو بہایا جائے۔ (پیدائش ۹/۶) یہی موسیٰ کی کتاب احبار ۲۴/۱۷ میں ہے۔ (۱۵) پنڈت لیکھرام آریہ مسافر اپنی کتاب حجت الاسلام میں لکھتا ہے کہ خود موسیٰ کی تعلیم ساری کی ساری زردشت کے مذہب کی نقل ہے۔ ابراہیم کے وقت بھی آتش پرست موجود تھے۔ (کلیات آریہ مسافر ص ۶۳۵) پھر لکھتا ہے کہ موسیٰ کے دس حکم منوسمرتی سے منقول ہیں بلکہ عموماً توریت منوسمرتی کی نقل ہے۔ (کلیات آریہ مسافر ص ۶۳۵)

موسیٰ کے پاس کتب

پادری جے۔ جے۔ لوکس صاحب لکھتے ہیں: "سوال۔ کیا موسیٰ نے اور کتابوں یا نوشتوں سے کچھ کچھ نکال کر توریت کی کتاب میں درج کیا؟ جواب۔ بہت سے مسیحی عالم یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ کے پاس چند ایک پرانے نوشتے تھے جن سے اُس نے کچھ کچھ نکالا۔ اگر یہ مانا بھی جائے تو صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اُس نے خدا سے ہدایت پا کر اُن نوشتوں سے اقتباس کیا۔ ایسی باتوں کو توریت کی کتاب میں درج کر کے اُن کے صحیح ہونے پر گواہی دی" (پیدائش کی کتاب کے مضامین ص ۱۴۳) پس اگر بفرضِ محال یہ مان لیں

کہ قرآن مجید نے بعض کتب سے اقتباس کئے تو صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ قرآن پاک میں درج شدہ واقعات کی بذریعہ وحی الٰہی تصدیق کی گئی۔ خداوند کے جنگ نامہ کا ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ پادری ڈبلیو۔ سینٹ ٹزڈل صاحب اپنی کتاب 'ینابیع الاسلام' میں لکھتے ہیں :-

"ابو الفدا اپنی کتاب میں بحوالہ ابو عیسیٰ کہتا ہے کہ اُمتِ سُریان سب مذہبوں اور اُمتوں سے اوّل ہے چنانچہ حضرت آدم اور اُس کی اولاد کی زبان سُریانی ہی تھی۔ اور اُن کی ملت بعینہٖ ملتِ مذہب صابئین ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس دین کی تعلیم حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام سے پائی ہے۔ اُن کے پاس ایک کتاب بھی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے ہیں جو خدا تعالےٰ نے اس پر نازل کئے تھے ان صحیفوں میں محاسن اخلاق، یعنی سچ بولنا اور شجاعت کرنا اور مسافر کے واسطے تعصب کرنا ایسی ایسی باتیں اس کتاب میں لکھی ہیں اور اس کتاب میں امر و نہی بھی موجود ہے اور تمام بُری باتیں جن سے آدمی کو پرہیز کرنا چاہیئے اور اچھی باتیں جن کو کرنا چاہیئے اس میں سب مذکور ہیں۔ (ص۳۹)

پادری صاحب کے پیش کردہ حوالہ سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ صابئین کا مذہب یہود و نصاریٰ سے پہلے ہے اور اُن کی کتاب بائیبل مقدس سے قبل کی ہے اور تمام اچھی باتیں جن کو کرنا چاہیئے اور تمام بُری باتیں جن سے بچنا چاہیئے یعنی قانونِ شریعت و احکام دین اس میں مذکور ہیں۔ صاف روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے قوانین شریعت اور اور احکام وغیرہ خداوند کے جنگ نامہ کے علاوہ اس کتاب سے لئے گئے ہیں۔

مصری آئین سے نقل

اجمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی تھی (اجمال ص۲۴۲) اور پادری ڈاکٹر ڈبلیو۔ جی۔ بلیکی صاحب ڈی۔ ڈی اپنی کتاب تاریخ بائیبل میں لکھتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل نے مصر سے طرح طرح کے علوم بھی بڑی کامیابی کے ساتھ تحصیل کر لئے تھے۔ اور موسیٰ کے کئی قانون اُن قواعد پر مبنی ہیں جن سے بنی اسرائیل ملک مصر میں واقف ہوگئے تھے۔ (ص۱۲۵) (باقی آئندہ)

خریدار حضرات کی اطلاع کے لئے

(۱) رسالہ الفرقان ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو ڈاکخانہ میں دیدیا جاتا ہے اگر آپ کو بروقت رسالہ نہ پہنچے تو اپنے ڈاکخانہ سے دریافت کریں۔

(۲) بروقت مطالبہ کی صورت میں دوبارہ بھی رسالہ بھیجا جا سکتا ہے لیکن دوسرے مہینے میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائے گا۔

(۳) آپ اس سال کا چندہ فوراً ارسال فرما دیں۔ اگر آپ کے ذمہ کچھ بقایا ہے تو وہ بھی جلد ادا فرما دیں۔

(۴) اہل قلم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے قیمتی مقالہ جات الفرقان میں بھجوا کر ممنون فرمادیں۔

مضامین بنام ایڈیٹر اور رقوم بنام مینیجر ارسال فرمادیں !

سمعنا اطعنا یا خلیفۃ ربنا

ذیل کا عربی قصیدہ جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا نے رقم فرمایا ہے۔ جسے شکریہ سے الفرقان میں شائع کیا جا رہا ہے ——— (ایڈیٹر)

لا من يخبر عن ربوع احبتي ... وعن اهل تلك الدار دار المحبة

رى الليل ارخت في الدنى استارها ... اضاءت باقمار الهدى دهر هجرة

طورا يرى قمر النبوة بازغا ... واخرى النجوم الساطعات بجلوة

لى كم توارى والعيون نواظر ... ايا شمس ملك الحسن يا حسن ربوة

فما بال عشاق زاروك معاينا ... اخذت قلوب المبعدين بجذبة

رأينا خيار القوم جاءوك قاصدي ... اخذت نصيبا من ذوى كل ملة

يا من حرمتم فيض دور مسيحنا ... تعالوا نشاهد دور نور و رحمة

هنا لارباب النعيم نعيمها ... لنا جامع النعما[1] محمود دولة

خذتم هواكم سيدا لنفوسكم ... وسيدنا الموعود[2] تمجيد كلمة

من جاء وحيا من بشارات ربنا ... كمن دل نوما وهو في عين ظلمة

خرج ملعونا ولو كنت عاليا ... اذا تمت ازراء لامر الخلافة

سمعنا اطعنا يا خليفة ربنا

ابرنا بنورك يا منير البرية

۱؎ حضرت میاں بشیر احمد صاحب۔ ۲؎ خاندان حضرت مسیح موعود۔ +

بچوں اور بچیوں کا رسالہ

"تشحیذ الاذہان"

کیا آپ کے گھر میں یہ دینی، علمی اور تربیتی رسالہ جاری ہے؟

یکم جون ۱۹۶۰ء سے رسالہ تشحیذ الاذہان جاری ہو چکا ہے۔ محترمہ سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے اس رسالہ کے لئے ذیل کا پیغام دیا ہے:-

"ہماری جماعت میں اس وقت تک بچوں کا کوئی رسالہ نہیں تھا احمدی بچوں اور بچیوں کی تربیت اور ان کی ذہنی نشوونما کے لئے ایک ایسے رسالہ کی جماعت میں انتہائی ضرورت تھی۔ جو بچوں میں مذہبی جوش، دین کے لئے غیرت اور اسلامی اخلاق پیدا کرنے کا موجب ہو۔ اس کے ذریعہ ان کو اپنے اسلاف کے کارنامے معلوم ہوں اور بچے ان کو پڑھ کر دین کے غیور فرزند بنیں۔

الحمد للہ کہ اس اہم ضرورت کو مکرم مولانا ابو العطاء صاحب تشحیذ الاذہان کے ذریعہ پورا کر رہے ہیں۔ خدا کرے یہ رسالہ انتہائی طور پر مقبول ہو۔ اور جس غرض کے لئے جاری کیا جا رہا ہے اس غرض کو پورا کرنے والا ہو۔

احمدی ماں باپ کو چاہیئے کہ اس رسالہ کو ضرور منگوائیں تاکہ اُن کے لڑکے اور لڑکیاں اس کو پڑھ کر فائدہ اٹھائیں

مریم صدیقہ"

اس رسالہ کا سالانہ چندہ صرف پانچ روپے ہے۔ فوری طور پر اپنا چندہ بھیج کر رسالہ جاری کروالیں۔

مینجر رسالہ تشحیذ الاذہان۔ ربوہ۔ پاکستان